مجلّہ طلوع اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

لاہور

طلوع اسلام

جلد: 50 شمارہ: 08 اگست 1997ء

خط و کتابت: ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)
25-بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660
ٹیلی فون: 876219 فیکس: 92-42-5764484
ناظم (گھر): 6541521

انتظامیہ چیئرمین : ایاز حسین انصاری
ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری
مجلس ادارت : میجر محمد یوسف ڈار۔
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر
ناشر : عطا الرحمٰن ارائیں
طابع : خالد منصور نسیم
مطبع : النور پرنٹرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور
مقام اشاعت : 25-B گلبرگ 2 لاہور 54660

زر سالانہ

ایشیا' افریقہ' یورپ	600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا	800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ	15 روپے
اندرون ملک سالانہ	170 روپے

اس شمارے میں

پیشکش	مدیر	14
لمعات	ادارہ	16
چشم اشکبار	شیخ عبدالحق ایڈووکیٹؒ	25
کارکنان تحریک پاکستان کی یاد میں	ادارہ	30
نشان راہ	ایاز حسین انصاری	34
ہماری معاشی بیماریوں کا علاج	ڈاکٹر صلاح الدین اکبر	38
تحریک طلوع اسلام کا تعارف	ماخوذ	45
شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد	ادارہ	55
تحریک طلوع اسلام تعارف	ادارہ	70
نصف صدی کا قصہ ہے	ادارہ	75
Genesis and Ideology of Pakistan	G.A.Parwez	151
Idara Mohammad Omar Draz		140
VIP Visit Report		138

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہو گی کہ مجلّہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے پاکستان کے ساتھ قدم بقدم چل رہا ہے۔

جشنِ آزادی

دُنیا کی ہر قوم نے فتح و کامرانی کی تقاریب پر، جشنِ مسرّت منانے کے مختلف طرق و انداز وضع کئے ہیں۔ اس قسم کی تقاریب پر، جشنِ کامرانی منانے کا ایک طریق مسلمانوں کو بھی سکھایا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ

جب اللہ کی تائید و نصرت سے تم پر کامرانی و شادکامی کی راہیں کھل جائیں

وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ

اور تو اس نظارہ کو اپنے سامنے جلوہ بار دیکھے کہ چاروں طرف سے لوگ فوج در فوج اور قطار در قطار، نظامِ خداوندی کے احاطۂ قدس میں داخل ہو رہے ہیں۔

تو اُس وقت

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ

اپنے رب کی حمد و ستائش میں زمزمہ بار نغمہ ریز ہو اور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا محاسبہ کر کے آئندہ کے لئے ان سے محفوظ رہنے کی التجا کر۔

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

اگر تم نے ایسا کیا اور اپنی کمیوں کو پورا کرنے کا تہیہ کر لیا تو اللہ اپنی نصرت و تائید کے ساتھ پھر لوٹ آئے گا

نذرِ عقیدت

بیسویں صدی کے آغاز سے ۱۹۳۰ء تک مسلمانانِ ہند کی عمومی حالت یہ تھی کہ یہ ریت کے ذرّوں کی طرح بکھرے پڑے تھے کہ تیز ہوا کا جھونکا آتا اور انھیں اِدھر سے اُدھر اُڑا لے جاتا۔ پانی کی رَو آتی اور انھیں اپنے ساتھ بہا لے جاتی۔ قوم نہیں ایک ناقہ تھی بے زمام، ایک کارواں تھا بے منزل و بے سالار۔ ان کی سعی و عمل، بگولے کے رقص اور سمندر کی لہروں سے زیادہ نتیجہ خیز نہ تھی کہ اس محشرستان تشتت و انتشار میں اللہ کا ایک بندہ اُٹھا جسے مبدءِ فیض کی کرم گستری نے دانشِ برہانی کے ساتھ "دانشِ نورانی" کی متاعِ گراں بہا سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اس نے قافلہ کے منتشر افراد کو للکارا اور کہا کہ آؤ تمھیں بتاؤں کہ قرآن نے تمھاری منزل کون سی متعیّن کی ہے اور ہندوستان کے احوال و ظروف کے پیشِ نظر اس منزل تک پہنچنے کے لئے کون سی راہ سیدھی ہے۔ اس نے گرد و پیش کے حالات کا تجزیہ کیا اور الٰہ آباد کے مقام پر کھُلے اور واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

"شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام اور اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔" (خطبۂ صدارت ۱۹۳۰ء علامہ اقبالؒ)

پھر اس کی نگہ دُور رس ایک ایسے صاحبِ فراست و اخلاص کی متلاشی رہی جو ملّتِ اسلامیہ کی اس متاعِ بردہ کی بازیافت کے لئے مقدمہ لڑے اور قوم کو راہ میں فروخت ہی نہ کر دے۔ ۱۹۳۸ء میں اس نے یہ دستاویز ایک ایسے آزمودہ کار، صاحبِ دیانت و اخلاص، وکیل کے ہاتھوں میں دے دی جس پر کامل بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ دُنیا نے اسے محمد علی جناح، اور ملّت نے قائدِ اعظم کہہ کر پکارا۔

اس نحیف و ناتواں رہبر فرزانہ نے جس تدبّر و فراست اور اخلاص و دیانت سے اس مقدمہ کو لڑا، دنیا کی عدالتیں اس پر متعجب و حیراں ہیں۔ اللہ نے اس حُسنِ نیّت کو متاعِ کامرانی سے نوازا اور اگست ۱۹۴۷ء میں وہ قوم کے حق میں ڈگری لے کر احاطۂ عدالت سے باہر آیا۔

ملّتِ اسلامیہ اُس مفکرِ اعظمؒ اور اِس قائدِ اعظم کی بارگاہِ عالیہ میں حُسنِ عقیدت کا نذرانہ پیش کرنے کا فخر حاصل کرتی ہے۔

محترم پرویز صاحب کا نہایت حقیقت کشا مقالہ

حسنِ کردار کا نقشِ تابندہ

بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی عظمتِ کردار اور رعنائی سیرت کی

☆ چند جھلکیاں ☆

جن کے بل بوتے پر بے تیغ وسناں چوتھی لڑائی لڑ کر ایک عظیم مملکت حاصل کر لی

اس کے ساتھ پرویزؒ صاحب کے دو مقالات ---------

☐ کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

اور

☐ دو قومی نظریہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی نگاہوں میں۔

جن کی اہمیت عنوانات سے عیاں ہے۔

تینوں مقالات کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ بڑی پُر از معلومات کتاب ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک پیکنگ خرچ) Rs.50/=

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

●●●

14 اگست کا پیغام

تو اپنا اعمالنامہ پڑھ ۔ آج تیری اپنی ذات خود تیرے خلاف محاسبہ کے لئے کافی ہے۔(17/14 القرآن)

ہم 14 اگست کو جشن مسرت منانے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ دن جشن منانے کا نہیں بلکہ اپنا محاسبہ کرنے کا ہے۔ جب ہم اپنا محاسبہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ چیز اپنے اعمالنامہ کے ایک ایک صفحہ پر ابھرے ہوئے حروف میں لکھی ملتی ہے کہ ہمارے معاشرے کی خرابیاں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص ان کے علاج کی طرف سے مایوس ہو چکا ہے۔ یاد رکھیئے ! کسی قوم پر مایوسی طاری ہو جانا بڑی خطرناک علامت ہے۔

مایوسی کا نفسیاتی تجزیہ یہ ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہو رہا جو کچھ وہ چاہتا ہے تو اسے غصہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ جب وہ بے بسی میں خود اپنی ذات کے خلاف غصہ نکالتا ہے تو اس سے افسردگی اور اندوہناکی پیدا ہو جاتی ہے' جس کی انتہائی شکل خودکشی ہے۔ جب وہ اس چیز کے خلاف غصہ نکالے جو اس کی مایوسی کا باعث ہو' تو اسے انتقام کہتے ہیں۔ اس سے سرکشی کے جذبات ابھرتے ہیں اور جب وہ ایسا نہ کر سکے' تو غیر متعلقہ چیزوں کے خلاف غصہ نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ پاگل پن کی ابتدا ہوتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس وقت پاکستان میں بالعموم یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کچھ لوگ مغموم ہیں لہٰذا غیر متعلق ہو بیٹھے ہیں۔ کچھ سرکش ہو رہے ہیں۔ کچھ پاگل۔ ایسی صورت حالات کو زیادہ دیر تک جاری رہنے دینا انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔

پاکستان کی نگاہیں کسی ایسے مرد مومن کو ڈھونڈ رہی ہیں جو اس کی مایوسی کو امیدوں میں بدل دے ایسا وہی کر سکے گا جو قرآن کو ہاتھ میں لے کر اٹھے گا اور دل کے پورے یقین کے ساتھ علیٰ وجہ البصیرت آواز دے گا کہ

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ (القرآن 39/53)

ہمیں یقین ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ

علامہ پرویزؒ تحریک حصول پاکستان کے دوران، حضرت قائد اعظمؒ محمد علی جناح کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔ 1938ء میں مجلّہ طلوع اسلام کا از سرِ نو اجراء حضرت علامہ اقبالؒ کی ایماء اور حضرت قائد اعظمؒ کے ارشاد پر بایں غرض عمل میں لایا گیا تاکہ قوم کو بتایا جائے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کے مطابق اس مجوزہ مملکت پاکستان کی اہمیت کیا ہے۔ علامہ پرویزؒ نے یہ فریضہ اس حسن و عمدگی سے نبھایا اور نیشنلسٹ علماء کے مخالف پاکستان پراپیگنڈا کا اس خوبی سے تدارک کیا کہ حصولِ پاکستان میں قائد اعظمؒ اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بارگاہِ ایزدی سے شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور مملکتِ پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آ گیا۔ پرویزؒ صاحب کی ان مساعی کی تفاصیل مجلّہ طلوع اسلام کے اس زمانہ کے فائلوں میں محفوظ تھی اور بالعموم عوام کی نگاہوں سے اوجھل! اب اسے ایک مستقل کتاب

"تحریک پاکستان اور پرویزؒ"

کی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs. 150

قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/Rs.300

مینجر طلوع اسلام ٹرسٹ

14 اگست کیوں آتا ہے؟

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو ارد گرد کی ساری آبادی سمٹ کر مدینے میں جمع ہو گئی۔ نئی نئی مملکت کے لئے یہ مسئلہ بڑا اہم اور مرحلہ بڑا مشکل تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا کہ مدینے میں کوئی شخص اپنے گھر میں کھانا نہیں کھائے گا' نہ ہی کسی کے ہاں انفرادی طور پر کچھ پکے گا۔ جو کچھ کسی کے پاس ہے سب ایک جگہ جمع ہو گا اور سب کو ان "پناگزینوں" کے ساتھ مل کر ایک دسترخوان پر کھانا ہو گا۔ اس حکم کی تعمیل میں خود امیرالمومنین کا گھرانہ پیش پیش تھا۔ مسلسل فاقوں سے اور موٹی جھوٹی روٹی کھانے سے آپ بیمار ہو گئے۔ چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی۔ رفقاء نے کئی مرتبہ کہا کہ آپ نسبتاً" اچھی غذا کھایئے۔ ملت کو آپ کی صحت کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ یہ سنتے اور انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ

خون شہ رنگین تراز معمار نیست

ایک دن آپ نے دیکھا کہ آپ کا پوتا خربوزہ کھا رہا ہے۔ اپنے بیٹے (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو بلایا اور کہا کہ مسلمانوں کے بچے روٹی کے ٹکڑے کو ترس رہے ہیں اور عمر کا پوتا پھل کھا رہا ہے؟ اس کا کوئی جواب تمہارے پاس ہے؟ انہوں نے کہا کہ بچے کو صبح (دوسرے بچوں کے ساتھ) جو کھجور کی گٹھلیاں ملی تھیں' اس نے ان کے بدلے ایک بدو لڑکے سے خربوزہ لے لیا تھا۔ یہ ہے حقیقت اس "میوہ خوری" کی ورنہ عمرؓ کے گھر والوں کو بھی وہی کچھ ملتا ہے جو دوسرے قحط زدہ مسلمانوں کو ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ لوگوں کے غم میں اس قدر نڈھال تھے کہ (حضرت اسامہؓ بن زید کے بیان کے مطابق) صحابہ کو یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ اگر قحط رفع نہ ہوا تو عمرؓ مسلمانوں کے غم میں جان دے دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی قحط کے دور کرنے کی دوسری تدابیر بھی اختیار کی جا رہی تھیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد قحط رفع ہو گیا۔

14 اگست ہر سال یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ "عمرؓ اور اس کا پوتا" کون سے دسترخوان پر بیٹھے ہیں!

چاروں طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ

- مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے ثابت کر دیا ہے کہ دو قومی نظریہ غلط ہے۔
- قائد اعظمؒ نے خود اپنی 11 اگست کی تقریر میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔
- قومیت کا مدار وطن کی جامعیت ہے' نہ کہ ایمان (نظریہ) کا اشتراک۔
- مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہئے ورنہ رہا سہا پاکستان بھی ختم ہو جائے گا۔
- نظریہ پاکستان محض ایک افسانہ ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں۔
- انسانی زندگی میں کوئی قدر ناقابل تغیر نہیں' ہمیں اپنے فیصلے حالات کے مطابق کرتے رہنا چاہیے۔
- اگر ہم پاکستان کی سلامتی چاہتے ہیں تو بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کر لینی چاہئے۔
- پاکستان میں متعدد قومیں بستی ہیں اس لئے صوبجاتی خود مختاری ضروری ہے۔
- قائد اعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ اسی قسم کا پاکستان بناتے۔

سوال یہ ہے کہ

اگر قائد اعظمؒ زندہ رہتے تو وہ کس قسم کا پاکستان چاہتے ... بالفاظ دیگر قائد اعظمؒ کے تصور کا پاکستان کیا تھا؟

یہ وقت کا نہایت اہم سوال ہے جس کے صحیح جواب پر پاکستان کے مستقبل کا دارومدار ہے اور یہ جواب قائد اعظمؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر اور تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ علامہ پرویزؒ کی تالیف میں ملے گا۔ جس کا عنوان ہے۔

قائد اعظمؒ کے تصور کا پاکستان

ضرورت ہے کہ اسے قوم کے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ میں عام کیا جائے کہ پاکستان کے مستقبل کا انحصار ہی ان کے زاویۂ نگاہ کی درستی پر ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs. 100

قیمت (علاوہ ڈاک' پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/Rs. 200

مینجر طلوع اسلام

خلافت کا بوجھ

شام کے سفر سے واپسی پر' حضرت عمرؓ نے دور و دراز وادی میں ایک خیمہ دیکھا۔ حسب معمول آپ تحقیق احوال کے لئے خیمہ میں گئے تو وہاں ایک بڑھیا نظر آئی۔ بغیر بتائے کہ آپ کون ہیں' اس سے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے؟ اس نے شکایت کی کہ حکومت کی طرف سے اس کی خبر گیری نہیں ہو رہی جس کی وجہ سے اسے تکلیف ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم نے حکومت تک اپنی تکلیف کی اطلاع بھی پہنچائی ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ یعنی اطلاع نہیں پہنچائی۔ حضرت عمرؓ نے معذرت کی اور کہا کہ جب تم نے اطلاع نہیں پہنچائی تو پھر خلیفہ کو اتنی دور سے تمہارا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ

جب عمرؓ کو رعایا کا حال معلوم نہیں تو پھر خلافت کیوں کرتا ہے؟

حضرت عمرؓ اس واقعہ کو اکثر دہرایا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اس حقیقت سے اس بڑھیا نے باخبر کیا کہ خلافت کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

اور جب رعایا کا حال معلوم ہو جاتا تھا تو پھر کیا ہوتا تھا؟

آپ ایک رات گشت کر رہے تھے کہ مدینہ سے تین میل باہر' ایک خیمہ میں بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بچے بھوکے ہیں اور سامان خوراک ختم ہو چکا ہے۔ آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے۔ بیت المال سے آٹا' گوشت' کھجوریں وغیرہ لیں اور اپنے خادم سے کہا کہ اس سامان کو میری پیٹھ پر لاد دو۔ خادم نے کہا کہ میں اٹھا کر لئے چلتا ہوں۔ فرمایا کہ ان بچوں کے لئے بروقت سامان خوراک نہ پہنچانے کا جرم عمرؓ کا ہے۔ جب تم اس جرم کے بار کو قیامت کے دن نہیں اٹھاؤ گے بلکہ اسے عمرؓ کو خود اٹھانا پڑے گا تو اب تم اس بوجھ کو کیوں اٹھاؤ۔ عمرؓ خود کیوں نہ اٹھائے؟ چنانچہ سامان اٹھا کر خیمہ میں آئے۔ خود چولہا جھونکا۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے کھایا پیا اور اچھلنے کودنے لگے۔ بچوں کی والدہ نے کہا کہ

امیر المومنین بننے کے قابل تم ہو' نہ کہ عمرؓ!

امیر المومنین عمرؓ جب اس واقعہ کو یاد کیا کرتے تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ بچوں کو اتنا وقت کیوں بھوکا رہنا پڑا تو کیا جواب دوں گا!

" حکومت " کا تاج ہر بوالہوس کے سر پر راست آ سکتا ہے لیکن " خلافت " کا بوجھ ہر کندھا نہیں اٹھا سکتا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

جب سیاست مذہب کا نقاب اوڑھ کر آتی ہے تو انسانیت کے لئے کس قدر خطرناک ہوتی ہے اس کا اندازہ وہ لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے تاریخ مذہب و سیاست کا مطالعہ کیا ہے۔ اُس وقت نہ کسی کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال' نہ عزت محفوظ ہوتی ہے نہ آبرو' نہ عقائد محفوظ ہوتے ہیں نہ حقائق۔ اور نہ علم باقی رہتا ہے نہ بصیرت' مذہبی پیشوائیت کا مقدس فولادی شکنجہ ہوتا ہے اور جسدِ انسانیت !

ایک بار پھر پاکستان میں اس قسم کی سیاست' مذہب کے نقاب میں آگے بڑھ رہی ہے۔ " دینی " جماعتوں کے اتحاد کی خبریں آئے دن چھپتی رہتی ہیں۔ سادہ لوح مسلمان' جسے مذہب سے بڑی محبت ہے' اسے قیامِ شریعت کی مخلصانہ جدوجہد سمجھ کر اس کا ساتھ دے رہا ہے اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ اس دھوکے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اور آنے والی نسلوں کے لئے کتنے بڑے مہیب خطرے کی پرورش کر رہا ہے۔

جماعت اسلامی کی خطرناک ڈکٹیٹر شپ پر' طلوع اسلام' کے بے لاگ تبصرہ کے لئے کتاب

مزاج شناس رسول

دیکھئے۔ اگر آپ جذبات کو الگ رکھ کر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو آپ پر یہ حقیقت بے نقاب ہو جائے گی کہ فی الواقعہ یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے جو مذہب پر فریفتہ ہو جانے والے مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے اور اس کے نتائج اسلام اور پاکستان کے لئے کس قدر تباہ کُن ہیں۔ کیونکہ در حقیقت

یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؓ

قیمت (علاوہ ڈاک وپیکنگ خرچ) سٹوڈنٹ ایڈیشن =/Rs. 80
قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ) اعلیٰ ایڈیشن =/Rs. 160

مینجر طلوع اسلام

ہمارے کرنے کا کام

اگر کسی کے دل میں فی الواقع پاکستان کا درد ہے اور اس قوم کو تباہی سے بچانے کی تمنا اس کے سینے میں موجزن ہے تو اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہاں کے نظام مملکت کو قرآنی اقدار کے تابع لے آئے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ یہ مملکت ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جائے گی بلکہ عزت و ثروت کے اس مقام بلند پر پہنچ جائے گی جہاں سے انسان اپنے مقدر کے ستارے جھک کر دیکھا کرتا ہے۔

یاد رکھیئے!

اس قوم کو نہ سیاسی مہرہ بازیاں بچا سکتی ہیں نہ آئینی فسوں سازیاں۔ نہ معاشی شعبدہ کاریاں اسے سنبھالا دے سکتی ہیں نہ انتخابی ابلہ فریبیاں اسے بچا سکتی ہیں۔ اسے بچا سکتی ہیں صرف مستقل اقدار خداوندی کی جنت سامانیاں۔ اگر ان سے اعراض برتا گیا تو اس کی تباہی یقینی ہے۔ یہی خدا کی سنت مستمرہ ہے۔

اور سنت اللہ کبھی تبدیل نہیں ہوتی (القرآن)

یاد رکھیئے!

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

❁❁❁

سہ ماہی آواز

آواز فاؤنڈیشن برائے تعلیم ایک غیر سرکاری تنظیم ہے جو پاکستان میں تعلیم کی بہتری کے لیے کوشاں ہے۔ اس کے بنیادی مقاصد میں تعلیم کو پھیلانا اور سستی کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ایسے اقدامات کرنا ہے جس سے لوگوں کو مل بیٹھنے کا موقع ملے اور مل کر گفتگو کر سکیں۔

آواز فاؤنڈیشن یکم اکتوبر ۱۹۹۷ء سے ملک کے نامور دانشور پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی زیر نگرانی سہ ماہی "آواز" کی اشاعت شروع کر رہا ہے۔ یہ ایک علمی، فکری اور تحقیقی مجلہ ہوگا۔

اس وقت پاکستان سے جتنے بھی جریدے شائع ہو رہے ہیں وہ صرف اپنے مکتبۂ فکر تک محدود ہیں اور اپنے مخالف نقطہ نظر کو شائع نہیں کرتے یا اہمیت نہیں دیتے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ایک دوسرے سے خوفزدہ ہیں۔ اِس مجلہ میں تمام مکاتبِ فکر کی تحریریں شائع کی جا رہی ہیں۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ علمی اور تحقیقی ہوں تاکہ مضامین سے اتفاق یا اختلاف ہر دو صورت میں گفتگو یا مکالمہ شروع ہو سکے۔ کیونکہ گفتگو کرنے سے ہی ہم اپنے مسائل کا بہتر حل تلاش کر سکتے ہیں۔

اس مجلہ میں ڈاکٹر علی شریعتی، عطاء اللہ پالوی، مولانا وحید الدین خان، علامہ رحمت اللہ طارق، جاوید احمد غامدی، غلام احمد پرویز، امین احسن اصلاحی، مولانا مودودی، سرسید احمد خاں، خواجہ احمد الدین، مولوی چراغ علی اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تحریریں شائع کی جائیں گی۔

اس کے علاوہ، ملک کے نامور دانشور/مفکرین بھی اس مجلہ کے لیے خاص طور پر لکھ رہے ہیں جس میں سبط الحسن ضیغم، ڈاکٹر مبارک علی، قاضی جاوید، سبط حسن، ڈاکٹر مہدی حسن، احمد سلیم، ڈاکٹر تحسین فراقی، عطاء الرحمان، کشور ناہید، محمد علی فارق اور مولانا قمر احمد عثمانی شامل ہیں۔

اس میں مختلف زبانوں (انگریزی اور عربی) سے تراجم بھی شامل کیے جا رہے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ مجلہ اسلام، تاریخ، معاشیات، نفسیات، انٹرنیشنل آفیرز اور ادب پر تحریروں سے مزین اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہوگا۔

مجلہ کا سائز ۱۶/۳۶ ۲۳ یعنی ۵" ۹" ہوگا۔ ضخامت ۳۰۰ صفحات اور قیمت ۶۰ روپے۔ سالانہ زرِ شرکت چار شماروں کے لیے اندرون ملک ۲۴۰ روپے اور بیرون ملک کے لیے ۱۲۰۰ روپے ہے۔ رقم بذریعہ چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہے۔ چیک اور ڈرافٹ آواز فاؤنڈیشن برائے تعلیم کے نام ہونے چاہئیں اور اس میں ۳۰ روپے بینک چارجز بھی شامل کر لیں۔

برائے رابطہ

آواز فاؤنڈیشن برائے تعلیم

۳۱۔ سیکنڈ فلور حفیظ سنٹر مین گلبرگ لاہور، پاکستان، فون: ۵۷۶۲۶۰۱

ڈسٹری بیوٹر

دوست ایسوسی ایٹس

الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور، پاکستان۔ فون: ۷۱۲۲۹۸۱
فیکس: ۷۱۲۲۹۸۱

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.
OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICE: 545071, 75571, 539071-73
FACTORY 550171

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش کش

قارئین محترم!

سلام رحمت

بصد شوق و احترام ماہنامہ طلوع اسلام (لاہور) کا گولڈن جوبلی نمبر ارسال خدمت ہے۔ امید ہے پسند آئے گا۔

ماہنامہ طلوع اسلام کا اجراء 1935ء میں علامہ اقبالؒ کے متعتمد خاص جناب سید نذیر نیازی کی زیر ادارت دہلی سے ہوا۔ حصول پاکستان کی جدوجہد کے دوران جن جرائد و اخبارات نے نمایاں خدمت انجام دیں ان میں طلوع اسلام کا نام سر فہرست ہے اسکی اشاعت سے مقصود نظریہ پاکستان کی وضاحت اور مخالفین کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا سدباب کرنا تھا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض مسلمان حلقوں کی طرف سے نظریہ پاکستان کی شدید مخالفت کی گئی۔ طلوع اسلام کے اہل قلم حضرات نے اس کا بھرپور مقابلہ اور تحریک پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنایا۔ بعض وجوہات کی بنا پر 1936ء میں اس کی اشاعت منقطع کر دی گئی کچھ ہی عرصہ بعد قائد اعظم اور علامہ اقبالؒ کے ایما پر علامہ غلام احمد پرویز نے اسے از سر نو شروع کیا۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کے دوران کچھ عرصے کے لئے اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی۔ پاکستان میں اس کی اشاعت اپریل 1948ء سے شروع ہوئی اور یہ اس وقت سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

طلوع اسلام کے اغراض و مقاصد آج بھی وہی ہیں جو تحریک پاکستان کے دوران تھے بس اس فرق کے ساتھ کہ تحریک پاکستان کے دوران اس کی جدوجہد کا محور پاکستان تھا جبکہ آج اس کی منزل اس خطہ زمین میں قرانی نظام کا قیام ہے۔ یہ سرزمین اسی مقصد کے لئے حاصل کی گئی تھی اور جب تک یہ حاصل نہیں ہو جاتا۔ تکمیل پاکستان ادھوری رہے گی۔ طلوع اسلام کے ارباب علم و دانش اور اہل قلم حضرات اس مقصد کے حصول کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں۔ ان کے سوچ و فکر کی تلاطم خیزیاں اور ان کے نوک قلم کی ایک ایک جنبش قرانی نظام کے خط و خال اور اس کے انسانیت ساز نتائج سے عوام کو آگاہ کرنے کے لئے وقف ہے۔

طلوع اسلام قلب و نگاہ کی تبدیلی کا حامی ہے۔ اس کے نزدیک تغیر نفس اور تغیر احوال لازم و ملزوم ہیں۔ خدا کسی فرد کی یا قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محکم قانون ہے اور اس کے علی الرغم کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اگر انسان میں قوت نفس اور کشاد قلب پیدا ہو جائے تو اسے کوئی مرعوب نہیں کر سکتا اور یہ ہر خوف و طمع سے بلند ہو کر آزادانہ طور پر فیصلے کرنے کے قابل بن جاتا ہے۔ یہ افق انسانیت پر آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ اس کا دل نوع انسان کے لئے سوزو گداز سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہ افق انسانیت پر آفتاب بن کر چمکتا ہے۔ اس کا دل نوع انسان کے لئے سوزو

گداز سے معمور ہو جاتا ہے اور یہ رحمت کا عالمینی پیکر بن جاتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج ہر طرف ظلم و جبر کی حکمرانی ہے۔ مٹھی بھر ظالم انسانوں نے ایک اکثریت کو اپنے پنجہ استبداد میں دبا رکھا ہے۔ یہ اپنے حسب و نسب اور مال و دولت کے بل بوتے پر جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ حکومت ان کے گھر کی باندی اور قانون ان کا غلام ہے۔ سب ان کی ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں کو تحفظ فراہم کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے سامنے نہ خدا کا خوف ہے نہ رسولؐ اور کتاب کا احترام اور نہ ہی آخرت کی جوابدہی کا احساس۔ یہ انسانیت کے مجرم ہیں۔

طلوع اسلام کا فریضہ منصبی قرآن کریم کی تعلیمات کو عامتہ الناس تک پہنچانا ہے۔ قرآن کریم کی راہنمائی سے محروم انسانوں کی اکثریت اپنے خلوص' دیانت اور سادگی طبع کی بنا پر ان مجرمین کی ہوس و حرص کا باآسانی شکار بن جاتی ہے۔ قرآن کی روشنی ان میں شعور و آگہی پیدا کرے گی۔ ان میں اتحاد و یگانگت کا موجب بنے گی اور پھر ان کا کوئی استحصال نہیں کر سکے گا۔

گرامی قدر!

طلوع اسلام کا شمار آپ کے سامنے ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اس کی شہادت اس کے صفحات دیں گے۔ یہ کس قدر حقائق پر مبنی ہے اس کا فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے۔ ہم نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ حقیقت صدق و عدل کے تمام تقاضوں کے ساتھ واضح ہو جائے۔ طلوع اسلام خود پڑھئے ۔ دوسروں کو اس سے متعارف کروائیے

آپ کا بہت بہت شکریہ

نیاز مند۔ محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول
ماہنامہ طلوع اسلام

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

1- پچاسواں جشن آزادی

تشکیل پاکستان کے بعد' طلوع اسلام نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ وہ ہر سال جشن آزادی کی تقریب پر ایک خصوصی مقالے میں ملی تعمیر و ترقی کا جائزہ لیتا اور احتساب خویش سے قوم کو بتاتا کہ ہم نے اس سال کیا کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں اس نے جشن آزادی 1948ء کی تقریب پر جو تصویر پیش کی تھی' اسے آئندہ صفحات میں من و عن پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہم اس آئینے میں اپنے خدوخال دیکھ کر اس امر کا جائزہ لے سکیں کہ آج آزادی کے پچاس سال مکمل کرنے پر ہماری حالت کیا ہے اور ہم میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

14 اگست 1948ء

انسانی تاریخ کے اوراق پیچھے کو الٹتے جایئے۔ کاغذ سے دھاتوں اور دھاتوں سے پتھروں' محلات سے جھونپڑیوں اور جھونپڑیوں سے غاروں تک کے ازمنہ مظلمہ میں پہنچ جایئے۔ اس کی تہذیب کے نقشے بدلتے اور اس کے تمدن کے خاکے مختلف ہوتے چلے جائیں گے۔ زبانیں بدلیں گی' خیالات بدلیں گے' طرز بود و باش بدلے گی' اسلوب رفتار و گفتار بدلے گا لیکن اس اختلاف و تنوع میں ایک شے ہر جگہ اور ہر مقام پر مشترک اور غیر متبدل نظر آئے گی اور وہ یہ کہ انسانی شعور نے جب سے آنکھ کھولی ہے اس نے ہمیشہ **آزادی** کی حمد و ستائش میں لاہوتی نغمے گائے ہیں۔ اس نے مختلف زمانوں میں مختلف خداؤں کو چھوڑا اور مختلف دیوتاؤں کو پوجا ہے لیکن اس نے آکاش کی اس دیوی کے حضور' بلا تخصیص زمان و مکان ہمیشہ شردھا کے پھول چڑھائے اور عقیدت کی شمعیں جلائی ہیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں آپ کو خدا تک کے منکرین مل جائیں گے' لیکن کسی ایک دور میں ایسا گروہ کوئی نہیں ملے گا جس نے آزادی کی عظمت سے انکار کیا ہو۔ انسانی تاریخ کیا ہے؟ اپنی اپنی آزادی کے تحفظ کی جدوجہد کی مسلسل داستان۔ مختلف ادوار میں نمارید و فراعنہ زماں اور اکاسرہ و قیاصرہ دہر' ہمیشہ اس کوشش میں رہے کہ کمزور انسانوں کے سینوں سے آزادی کی تمنا کو مٹا دیا جائے لیکن کمزور و ناتواں انسانوں نے اپنا سب کچھ لٹنا اور مٹنا گوارا کر لیا مگر آزادی کی حسین آرزوں کو اپنے دل کے کاشانوں سے کبھی مٹنے نہیں دیا۔ اس نے اس قربانگاہ پر اپنی عزیز ترین متاع حیات تک بھینٹ چڑھا دی لیکن اس کی آن پر کبھی حرف نہیں آنے دیا۔ تاریخ کے ریگ ساحل پر **انگنت** موجیں آئیں اور نقوش کو بہا کر ساتھ لے گئیں لیکن اگر کوئی نقش ایسا تھا جو اس کی مسلسل تگ و تاز کے باوجود کبھی مٹ نہ سکا تو وہ اس بطل جلیل کے نام کا نقش تھا جس نے آزادی کے تحفظ کی خاطر جان دی ہو' یا پھر اس باعث

ننگ انسانیت' کا نام جس نے اپنوں کی آزادی کو دوسروں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ بہرحال' دنیا نے ہر قوم کی عظمت کو آزادی کے پیمانوں سے ماپا اور اسی کے معیاروں سے جانچا ہے' بایں نمط کہ آزادی' دنیا کی ہر لغت میں شرف و مجد انسانیت کے مرادف اور غلامی' ذلت و خواری کے ہم معنی ہو کر رہ گئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آزادی بالآخر کیا شے ہے جو انسان کے لئے اس درجہ مرغوب و مقصود بن چکی ہے۔ اگر آزادی وہی ہے جس کا غلغلہ ہم بھی ایک سال سے سن رہے ہیں تو ہمیں حیرت ہے کہ انسان کو کیا ہو گیا کہ اس نے اس کی خاطر زمین و آسمان کو ایک کر رکھا ہے!

ہم گذشتہ ایک سال سے آزاد ہیں۔ پچھلے سال بھی 14 اگست کو ہم نے آزادی کا جشن منایا تھا۔ آج ایک سال بعد پھر ویسا ہی جشن آزادی منا رہے ہیں۔ آزادی کا یہ تیوہار اب ہر سال منایا جایا کرے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے اس ظاہری شور و غوغا اور سطحی دھوم دھام کے ہماری حیات اجتماعیہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ ہم وہی کچھ ہیں جو 14 اگست 1947ء سے پہلے تھے۔ ہم وہیں ہیں جہاں اس تاریخ آزادی کے وقت تھے۔ بلکہ ایک لحاظ سے اس سے بھی کچھ پیچھے۔ ہم اب آزاد ہیں۔ قانونی اور آئینی معنوں میں پوری طرح آزاد۔ لیکن کیا آزادی کے نتائج بھی کچھ ہوتے ہیں جن سے ہم دو چار ہیں؟ کیا یہی وہ آزادی ہے جس کے نغمے فطرت انسانی کے ساز سے ہمیشہ ابھرتے' ابلتے رہتے ہیں؟ کیا ہم خود اسی آزادی کا مطالبہ کیا کرتے تھے؟ اگر آزادی اسی کیفیت (بلکہ عدم کیفیت) کا نام ہے تو ہمیں اعتراف کر لینا چاہیے کہ یا تاریخ کی رصد گاہوں کے تمام نقوش باطل ہیں یا ہم نے کہیں دھوکا کھایا ہے۔

کہنے کو ہم آزاد ہیں' ہر معنی میں آزاد' لیکن ہمیں سال بھر میں ایک مرتبہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ اس آزادی نے ہم میں کون سی تبدیلی پیدا کی کہ جس کے باعث ہم اس آزادی کی زندگی کو سابقہ غلامی کی زندگی پر ترجیح دیں۔ تو ظاہر ہوا کہ اس بظاہر آئینی آزادی میں کسی ایسی شے کی کمی ہے جس سے آزادی اور غلامی میں چنداں امتیاز نظر نہیں آتا۔ آیئے دیکھیں کہ "سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے" کے مصداق کون "تو" ہم میں نہیں ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اس ہیملٹ کی داستان میں وہ کون شہزادہ گم ہے جس سے یہ داستان اس درجہ بے کیف ہو کر رہ گئی ہے۔ 1931ء کی مسلم کانفرنس (لاہور) کے خطبہ صدارت میں اس امر کا ذکر کرتے ہوئے ارباب کانفرنس نے ایک مفکر Visionary کو صدارت کے لئے چنا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ

قومیں فکر سے محروم ہو کر برباد ہو جاتی ہیں

آج ہماری یہی کیفیت ہے۔ ہم سیاسی آزادی سے تو ہم کنار ہو چکے ہیں لیکن فکر سے محروم اور تہی داماں ہیں۔ آزادی' غیر کی غلامی کی عدم موجودگی کی کا نام نہیں۔ آزادی مثبت شے ہے۔ یہ لاالہ کی وادی میں حاصل نہیں ہوتی' یہ گلستان **الا اللہ** کی دائمی بہار ہے۔ آزادی ظلمت نہیں کہ عدم نور کا

نام ہو بلکہ یہ نور کی مثبت موجودگی ہے۔ کہ جس سے زندگی کا ہر گوشہ خاور بداماں ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی خارج سے مسلط نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا فوارہ قلب کی گہرایوں سے پھوٹتا ہے۔ یہ اس وقت تک مثبت کیفیت نہیں بنتی جب تک کہ " **مابانفسھم** " کے تغیر و تبدل کی آئینہ دار نہ ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کی سرزمین ہمیں صلاحیت کے بغیر مل گئی ہے۔ یہ ہماری سعی و عمل اور تگ و تاز کا نتیجہ نہیں۔ اسی لئے خدا کا یہ بخشیدہ بہشت "ہیچ" معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ہیچ ہی معلوم ہو گا جب تک یہ موہبت الٰہی اس مقصد کے لئے استعمال نہ ہو جس کے لئے یہ عطا ہوئی ہے۔ یہ استعمال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ پیش نہاد کیا ہے اور وہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ فریضہ صاحب فکر کا ہے اور ہماری بدبختی کہ

بیدار ہوں دل' جس کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

ہندی سیاست کا 1920ء سے 1930ء تک کا عشرہ ہمہ گیر رقص اور پیچ و تاب کا منظر پیش کرتا ہے۔ ایک عام ہیجان و طوفان تھا۔ اعمال باطل ہو رہے تھے اور کچھ برآمد نہیں ہو رہا تھا۔ قوم ایسا تخم بو رہی تھی جس کا کچھ حاصل نہ تھا۔ وہ اس راہ پر چل رہی تھی جس کی منزل نہ تھی۔ عین اس حال میں ایک صاحب فکر نے قوم کو ایک تصور دیا۔ وہ تصور شاعر کا خواب اور مجذوب کی بڑ معلوم دیتا تھا۔ لیکن اس میں جادو تھا۔ اس نے قوم کو قوم بنا دیا۔ بکھرے دانوں کو ایک تسبیح میں پرو دیا۔ دس کروڑ کے ہجوم کو ملت واحدہ بنا کر ایک جھنڈے' ایک پلیٹ فارم اور ایک لیڈر سے وابستہ کر دیا۔ انتشار میں مرکزیت پیدا ہو گئی' باطل اعمال نتیجہ خیز ہونے شروع ہو گئے اور **ائتلاف** کی وہ نعمت میسر آنے لگی جو قرآن کے الفاظ میں دنیا بھر کے خزانوں کے عوض میں بھی میسر نہ آسکتی۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (8:63)

اور وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم **ائتلاف** پیدا کر دیا۔ اگر تو' وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین پر ہے' تو جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ یہ اللہ ہی ہے جس نے ان میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بلا شبہ وہ (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا ہے۔

ائتلاف' وحدت مقصد اور وحدت منزل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب مقصد و منزل متعین ہو گئے تو قوم کی ہر حرکت اس متعین منزل کی جانب ہو گئی۔ ملت نے بالآخر اس منزل کو پا لیا۔ لیکن پس چہ؟ وہ منزل' مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک خوب تر منزل کا سنگ میل ہے۔

تقسیم ہند سے ایک طرف ہندو نے آزادی حاصل کر لی ہے اور دوسری طرف مسلمان نے ایک

قطعہ ارض حاصل کر لیا ہے۔ ہندو کے نزدیک تصور آزادی محض یہ تھا کہ بدیشی راج باقی نہ رہے اور کاروبار حکومت دیسیوں' (ہندوؤں) کے ہاتھ آ جائے۔ یہ اس کی منزل مقصود تھی۔ اب جب وہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو وہ مطمئن ہے کہ وہ آزاد ہو گیا ہے لیکن مسلمان کی حالت مختلف ہے۔ اس کے نزدیک اس قسم کی آزادی منزل نہیں فقط نشان منزل ہے۔ اب وہ کشمکش میں مبتلا ہے کہ

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

اس کے تحت الشعور میں ایک خلش ہے' پیہم خلش' جس کا علاج اسے میسر نہیں۔ وہ دنیاوی حکومت قائم کرتا ہے۔ تو اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے کہ پاکستان کو اس نے نظام قرآن رائج کرنے کے لئے حاصل کیا تھا۔ اگر نظام قرآن رائج کرنے کی طرف آتا ہے تو اسے معلوم نہیں کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہے۔ نظام قرآن کا خواب کثرت تعبیر سے پریشان ہو رہا ہے۔ ماضی کے مخصوص حالات نے ملا کو مذہب کا خصوصی اجارہ دار بنا دیا ہے۔ ملا اسلام و قرآن کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ رجعت پسندانہ' دقیانوسی اور ناقابل قبول و عمل ہے۔ اس کے اپنے مقاصد ہیں جن کا وہ تحفظ چاہتا ہے۔ زکوٰۃ' خیرات کی مدات اس کی تحویل میں دے دی جائیں تو وہ مطمئن ہو جائے گا کہ مذہب کی حکومت قائم ہو گئی۔ لیکن یہ " مذہب " چند رسوم کا نام ہے۔ غیر مذہبی امور کے لئے " دنیاوی حکومت " لازمی ہے۔ دنیاوی حکومت کی زمام مغرب زدہ ہاتھوں میں ہے۔ ان کا مغربی تصور اجتماعیت و حکومت مسلمانوں کے مزاج قومی کے مطابق نہیں۔ ارباب حکومت مغربی فضا کے تربیت یافتہ ہونے کی حیثیت سے معذور ہیں۔ وہ صرف مغرب کا نظام ہی رائج کر سکتے ہیں۔ عوام کا تقاضا اور ان کی کیفیت جداگانہ ہے۔ مسلم لیگ نے اپنی دس سال کی سیاسی جدوجہد میں ان کے تحت الشعوری خلش کو ابھارا کہ پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا جا رہا ہے۔ اگر عوام کو ان خطوط پر نہ تیار کیا جاتا یا ان کی اس خلش کو یوں **برانگیخت** نہ کیا جاتا تو آج ان کا مطالبہ شاید اور ہوتا۔ مسلم لیگ نے دانستہ ان کو اس طرح ابھارا اور اب کیفیت یہ ہے کہ وہ غیر مطمئن ہیں۔ قیام پاکستان سے صرف وہی طبقات و افراد مطمئن ہو سکے ہیں جن کے قلب میں کوئی خلش نہیں تھی۔ جن کے پیش نظر ذاتی مناصب و شخصی منافع تھے اور وہ ان کے حصول میں مصروف ہیں۔ جہاں تک ارباب حکومت کے مغرب زدہ تصور سیاست کا تعلق ہے پاکستان کا مل جانا اطمینان بخش ہے۔ وہ خود تو مطمئن ہیں لیکن جو مطمئن نہیں انہیں وہ شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ دیوانے -- باغی -- پاکستان کے خلاف ہیں۔

عوام غیر مطمئن ہیں کیونکہ ان کی جس خلش کو برسوں ابھارا جاتا رہا اس کی تسکین کا اب کوئی سامان نہیں۔ حتی کہ روٹی کا مسئلہ جو غریب کے سامنے سب سے پہلے آتا ہے پاکستان میں اس کا بھی اطمینان بخش حل نہیں۔ کیمونسٹ اور سوشلسٹ اس ضمن میں جو حل پیش کرتے ہیں حکومت انہیں شک

سے دیکھتی ہے۔ اور عوام کو ان سے دور رکھنے کے لئے اسلامی کمیونزم وغیرہ قسم کی مغالطہ انگیز اصطلاحات سے کام لیتی ہے۔ تاکہ انہیں یہ افیون دے کر سلا دے۔ اس نے اوپر کے طبقہ کو منافق بنا دیا ہے۔ منافقت پھر عدم اطمینان کا باعث ہے۔ اطمینان اسلام میں ہے یا کفر میں' منافقت میں نہیں۔ (منافقین کے لئے جہنم میں بھی درک اسفل ہے۔) پھر دیکھئے قوم کی حالت کیا ہے؟ ملا کے مقاصد رجعت پسندانہ اور خود غرضانہ ہیں۔ ارباب اقتدار کی روش منافقانہ ہے۔ عوام کے تحت الشعور میں جو خلش ہے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ان کی روٹی کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں۔ وہ غیر مطمئن ہیں۔ جنوں زدہ طبقہ میں بغاوت کے آثار ہویدا ہیں۔

ایسے میں کیا ہو گا؟ اس عدم اطمینان اور منافقت کے طبقاتی گرداب سے قوم بچ سکتی ہے تو کسی صاحب فکر کے صدقہ میں بچ سکتی ہے۔ مسلمانوں کا صاحب فکر اقوام دیگر کے اصحاب فکر سے مختلف اور نرالا ہوتا ہے۔ یہ صاحب فکر ہی نہیں ہوتا' صاحب جنوں بھی ہوتا ہے۔ اس میں عشق و عقل' نظر اور خبر کا امتزاج ہوتا ہے۔ وہ تنہا عقل نہیں ہوتا کہ مصلحت کوشیوں پر نگاہ رکھے اور جرات رندانہ سے محروم ہو۔ نہ وہ محض جنوں ہوتا ہے کہ اسے پاس گریباں بھی نہ ہو۔ وہ اس کی تفسیر ہوتا ہے کہ

باچنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
درجنوں ازخود نرفتن کار ہر دیوانہ نیست

لیکن اس مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ مستقبل اس کے ہاتھ میں ہے جس کا سینہ کشمکش کی آماجگاہ ہے کیونکہ

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

ایسا صاحب فکر کہ اس کے سینہ میں قرآن کی تڑپ ہو' اس کے فکر کی روشنی میں قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا نظام متعین ہو سکتا ہے جس میں ہر ایک کو صحیح اطمینان حاصل ہو جائے اور ملت اس نور ربانی کی روشنی میں اپنی منزل صحیحہ کی جانب گامزن ہو سکے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر وہ حقیقی آزادی میسر آئے گی جس کے بغیر ہماری موجودہ آزادی ایک بادہ ہے بے کیف۔ ایک جسد ہے بے روح۔ اس کے بغیر ہم آئینی آزادی سے تو شاید ہم کنار رہ سکیں اس حقیقی آزادی کو کبھی پا نہیں سکیں گے جو ان بے شمار اطواق و سلاسل کو توڑتی ہے جو انسان نے از خود پہن رکھے ہیں۔ آزادی کے یوم ہر سال آئیں گے اور گزر جائیں گے۔ ہم خوشیاں بھی منائیں گے لیکن اس استخواں خوری سے کچھ نفع نہیں ہو گا جب تک ہم مغز تک نہیں پہنچیں گے۔ یوم ہائے آزادی کے جشن بے روح بن کر رہ جائیں گے اور بس۔

اس حقیقی آزادی کے حاصل نہ ہونے سے پاکستان کے قیام نے ہم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی اور ہم بدستور وہیں ہیں جہاں قیام پاکستان سے پیشتر تھے۔ ہم اگر بدستور فروعات میں الجھے رہے اور

ظواہر رسوم کے غلام بنے رہے تو جو کچھ ہونے والا ہے اس کا پرتو بھی دیکھ لیجئے۔ ملا اور ارباب حکومت میں سمجھوتہ ہونے کے امکانات قوی ہیں۔ ایسا ہو گیا تو ہماری ساری جدوجہد اکارت جائے گی۔ اور تاریخ نئے اوراق الٹنے کے بجائے پرانے اوراق الٹے گی۔ ہم غیروں کی غلامی سے آزاد ہو کر اپنوں کے غلام ہو چکے ہوں گے۔ پاکستان باقی مسلمان سلطنتوں کی طرح ایک سلطنت بن جائے گی۔ فرق صرف یہ ہو گا کہ وہاں ایک شخص کی حکمرانی ہے یہاں متعدد اشخاص کی ہو گی۔ وہ شخصی اجارے ہیں یہ مشترکہ ادارہ ہو گا "تخت و مصلیٰ" کا **ائتلا** مسلمانوں کی تاریخ میں ایک عظیم حادثہ ہو گا۔ ایسا صدمہ جس سے جانبر ہونا صدیوں کی بات ہو جائے گی۔

لٰہذا آیئے! یوم آزادی منانا ہے تو عہد کیجئے کہ حقیقی آزادی سے ہم کنار ہو کر رہیں گے۔ اس کی یہی صورت ہے کہ قرآن نے جن اطواق و سلاسل کو ایک بار توڑا تھا اور جن کے ٹوٹے حلقوں کو جوڑ کر ہم نے پھر وہی زنجیریں تیار کر لی ہیں آج پھر ان زنجیروں کو ایک جھٹکے سے توڑیں اور حیات اجتماعیہ کو اس قالب میں ڈھال لیں کہ محکومیت صرف اللہ کی جائز ہے۔ انسان کو انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں۔ انسان نہ حاکم ہے نہ محکوم۔ وہ خدائی قوانین کا نفاذ کرنے والا اور آپس میں **ائتلاف** اور رحم سے کام لینے والا ہے۔ گویا بالفاظ صحیح تر ہم قرآن اور اسلام کا نظام اپنے اوپر مسلط کریں اور انسانیت کو حقیقی آزادی سے ہم کنار کرائیں۔ یاد رکھئے' یہ تسلط صرف قدم اول کا منتظر ہے۔ آیئے جرات ایمانی سے کام لیں اور یہ قدم اول اٹھائیں۔

لیکن اس "زور جنوں" میں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ ہونے دیجئے کہ جس نظام کو ہم مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ اس سرزمین کے ٹکڑے کے بغیر کبھی مسلط نہ ہو سکے گا جو ہمیں خدا کی موہبت سے مل گیا ہے۔ جسم کے بغیر' اس عالم اسباب میں' جان کا تصور ممکن نہیں۔ اس لئے اس قطعہ زمین کا تحفظ نہایت ضروری ہے کہ۔۔ غیر ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے۔۔۔ اس سرزمین کی بخشائش پر ہماری گردنیں اس بارگاہ صمدیت کے حضور' وفور تشکر و امتنان سے جھک جاتی ہیں جس نے ہم ناتوانوں کو اس عطیہ عظمیٰ سے نوازا۔ اسی سے ہم استعانت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرما دے کہ ہم اس سرزمین کو اس کے تخت اجلال کی جولانگاہ بنا سکیں۔

اور جب خدا کے حضور سجدہ تشکر کا ذکر آیا ہے تو بعید از سپاس گذاری ہو گا اگر ہم قوم کے اس "مخلص وکیل" کا شکریہ ادا نہ کریں جس نے اپنی فراست و دیانت سے اتنا عرصہ بلا مزدو معاوضہ قوم کا مقدمہ لڑا اور اسے اس سرزمین کا قبالہ لے دیا۔ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں اس محسن ملت کی زیر بار احسان رہیں گی۔ لیکن پاکستان کا استحکام اس "ڈگری" حاصل کر لینے سے نہیں ہو گا۔ یہ مشروط ہو گا ہماری اپنی صلاحیتوں پر اور یہ صلاحیتیں "ایمان و اعمال صالح" کے بغیر ناممکن ہیں۔

2۔ پاکستان کا مستقبل

پاکستان کے حصول و قیام کی تحریک کس انقلاب عظیم کی دعوت لئے منظر عام پر آئی۔ کروڑوں مسلمانوں نے کس جوش و خروش سے اس دعوت انقلاب کو لبیک کہا۔ سرزمین ایشیا کی اس انقلاب آفریں سیاسی تحریک سے ملت اسلامیہ کی کس قدر خوش آئند امنگیں اور حیات انگیز عزائم وابستہ تھے' یہ سب کچھ آج ہماری تاریخ کا ایک قابل فخر باب قرار پا چکا ہے اور یہ داستان جہاد اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ جب ایک قوم اپنے لئے جداگانہ مملکت کے قیام اور اس مملکت میں' دین خداوندی کی کارفرمائی کی مقدس آرزوئیں اور پاکیزہ عزائم لے کر اٹھتی ہے تو زندگی کی کامرانیاں اور فتحمندیاں کس طرح آگے بڑھ کر اس کے قدم چوم لیتی ہیں۔ وہ کس فاتحانہ جاہ و جلال مشکلات وموانعات کے پہاڑوں کو روند کر آگے بڑھتی ہے اور بڑی سے بڑی منظم اور مخالف قوتیں اس کے مقابلے میں ہزیمت اور شکست سے دو چار ہوتی ہیں۔

یہ سب کچھ ایک افسانہ نہیں بلکہ ہماری حیات اجتماعی کی وہ جیتی جاگتی حقیقت ہے جس کی تکمیل ہمارے اپنے ہاتھوں سے ہوئی۔ ہم نے حیات ملی کی باز آفرینی کے لئے ایک خاکہ ترتیب دیا اور وحدت فکر و عمل کی معجز نمائیوں سے اس میں وہ رنگ بھرا جس نے اسے مملکت پاکستان کا محسوس و مشہود پیکر عطا کیا' لیکن ہمیں یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ہماری مملکت کا یہ پس منظر جس قدر وجہ شادابی نگاہ ہے اسی قدر اس مملکت کا وہ دور باعث رنج و الم اور موجب شرم و ندامت بھی ہے جس کا آغاز بانی مملکت قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے سانحہ رحلت سے ہوا اور اس نے ہماری حیات اجتماعی میں سیاسی انتشار' ذہنی شکست اور مایوسی کی وہ ویرانیاں برپا کیں جو ہمیں کشاں کشاں ہلاکت کے جہنم کی طرف ہانکے چلی گئیں۔

قائد اعظمؒ کی باوقار اور پر جلال شخصیت کے رخصت ہوتے ہی برسراقتدار طبقہ اپنی من مانی کارپردازیوں اور کھیل کھیلنے کے لئے پوری طرح آزاد (بلکہ بے لگام) ہو گیا۔ مملکت کے ایوان ہوس اقتدار کی فساد انگیزیوں کے نشیمن بن گئے۔ ایک دوسرے کے خلاف گٹھ جوڑ کی مہم تیز تر ہوتی گئی۔ صوبائی اور مرکزی اسمبلی ہال جہاں مملکت کے امن و سالمیت' بقا و استحکام و نشو و ارتقاء کے لئے قانون سازی کے اہم فریضہ کی ادائیگی مقصود تھی' ہنگامہ بازی شور و شر اور سر پھٹول کی رزمگاہ قرار پا گئے۔ جہاں چوٹی کے سیاست دان بھی ایک دوسرے کے خلاف اپنی تقریروں میں مسلسل الزام بازیوں کے کچے چٹھے سنانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ اسمبلی کا اسپیکر جس کا فریضہ ایوان میں امن و سکون کو برقرار رکھنا ہوتا ہے ان ہنگاموں میں بری طرح بے بس اور معذور دکھائی دینے لگا۔

جب مملکت کا برسراقتدار طبقہ' ہوس اقتدار کی ہنگامہ آرائیوں میں اس حد تک بڑھ جائے تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دنیا میں اس مملکت کو کس نظر سے دیکھا جائے گا اور خود ملک کے اندر عوام کے جذبات و احساسات کی کیا کیفیت ہو گئی۔ قوم پر کیا بیت رہی تھی۔ عوام ضروریات زندگی کے معاملہ

میں کن پریشانیوں' تلخیوں اور گوناگوں مشکلات سے دوچار ہوں گے' اس پر غور و فکر کرنے کے لئے کسی کو فرصت ہی میسر نہیں ہوتی۔ کچھ غول بیابانی ہے جو ایک دوسرے کے خلاف دانت تیز کرنے میں مصروف اور سرگرم کار ہے' اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ناروا حربہ بروئے کار لانے میں مشغول۔ تاہم

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں

یہ صورت اگرچہ بڑی مایوس کن ہے لیکن ابھی امید کی کچھ کرنیں باقی ہیں۔ قرآن کریم ہی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ غلط نظام کے تباہ کن نتائج آہستہ آہستہ مرتب ہوتے رہتے ہیں اور ان کی آخری شکل وہ ہوتی ہے جب تباہی محسوس طور پر اس قوم کے سامنے آجاتی ہے۔ اگر وہ قوم اس سے پہلے اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لے تو اس کے بچاؤ کی صورت ہو سکتی ہے۔ جب تباہی محسوس شکل میں سامنے آجائے تو پھر وہ اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ دیکھئے سورۃ الانبیاء میں اس حقیقت کو کیسے محاکاتی انداز میں (Graphically) بیان کیا گیا ہے فرمایا **وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ** کتنی ہی قومیں ایسی تھیں جو اپنے اس نظام کی وجہ سے جو ظلم اور ناانصافی پر مبنی تھا' تباہ ہو گئیں۔ ان کی حالت یہ تھی کہ انہیں ان کی غلط روش کے تباہ کن مال سے آگاہ کیا گیا لیکن انہوں نے ایک نہ سنی۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ہم جس روش پر چل رہے ہیں اس سے ہمیں فروغ حاصل ہو رہا ہے' اس لئے اس کا نتیجہ تباہی کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے نتائج غیر محسوس طور پر اندر ہی اندر مرتب ہوتے چلے جا رہے ہیں چنانچہ جب یہ مدت ختم ہو گئی **فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ** اور ان کی تباہی محسوس شکل میں ان کے سامنے آگئی تو وہ لگے بھاگنے لیکن ہمارے قانون مکافات نے انہیں للکار کر کہا **لَا تَرْكُضُوْا** بھاگو نہیں تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے **وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ** چلو اپنے محلات کی طرف اور اس سامان تعیش کی طرف جو تم نے اس طرح فراہم کر رکھا تھا۔ چلو واپس تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ تم نے اتنا مال و دولت کہاں سے لیا تھا۔ وہ مظلوم کون سے تھے جن کے خون کی رنگینی تمہارے محلات کے لئے وجہ آرائش و زیبائش بنی تھی۔ **قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ** چنانچہ جب انہیں گرفتار کر کے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا گیا انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم نے یہ سب کچھ ظلم و استحصال سے حاصل کیا تھا۔ **فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ** (21/11-15) وہ یہ واویلا مچاتے رہے لیکن اس وقت اس پکار اور فریاد نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ قوم ایسے ہو گئی جیسے کوئی کٹا ہوا کھیت ہو یا بجھا ہوا شعلہ

اگر کسی کے دل میں فی الواقعہ پاکستان کا درد ہے اور اس قوم کو تباہی سے بچانے کی تمنا اس کے سینے میں موجزن تو اس کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ یہاں کے نظام مملکت کو قرآنی اقدار کے تابع

لے آئے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ یہ مملکت ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جائے گی بلکہ عزت و ثروت کے اس مقام بلند پر پہنچ جائے گی جہاں سے انسان اپنے مقدر کے ستارے جھک کر دیکھا کرتا ہے۔ یاد رکھئے ! اس قوم کو نہ سیاسی مہرہ بازیاں بچا سکتی ہیں نہ آئینی فسوں سازیاں۔ نہ معاشی شعبدہ کاریاں اسے سنبھالا دے سکتی ہیں۔ نہ انتخابی آبلہ **فریبیاں** اسے بچا سکتی ہیں اسے بچا سکتی ہیں تو صرف مستقل اقدار خداوندی کی جنت سامانیاں۔ اگر ان سے اعراض برتا گیا تو اس کی تباہی یقینی ہے۔ یہی خدا کی سنت مستمرہ ہے **ولن تجد لسنت اللہ تبد یلا**" اور سنت اللہ کبھی بدلا نہیں کرتی۔ یاد رکھئے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف
اقبالؒ

MEN AND WOMEN ENDOWED WITH UNIQUE QUALITIES

You shall not covet the qualities bestowed upon each other by Allah; the men enjoy certain qualities, and the women enjoy certain qualities. You may implore Allah to shower you with His grace. Allah is fully aware of all things.(Quran 4:32)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قند مکرر

چشم اشکبار

(محترم شیخ عبدالحق' ایڈوکیٹ' سپریم کورٹ' ہمارے ملی حلقہ میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اعلیٰ فنی صلاحیتوں کے علاوہ' ذاتی زندگی میں حسن معاشرت و شرافت' سینہ درد اسلام سے لبریز' اور حق گوئی و بے باکی جیسی جنس گراں مایہ' جو ہمارے ہاں آج کل نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے' ان کی خصوصیات ہیں۔ گذشتہ نومبر میں' لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے وکلا صاحبان کی طرف سے' سپریم کورٹ کے (سابقہ) چیف جج' محترم حمودالرحمٰن کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا انعقاد ہوا۔ اس میں شیخ عبدالحق صاحب نے جو تقریر فرمائی' اس کا خاصا چرچا رہا۔ اب یہ تقریر صحیفہ (P.L.D) کے دسمبر 1975ء کے شمارہ میں چھپ چکی ہے۔ اگرچہ وہ ساری تقریر بڑی دلکش اور جاذب توجہ ہے۔ لیکن اس کا ایک حصہ ایک ایسی حقیقت کو سامنے لاتا ہے جو طلوع اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل اور خصوصی غور و فکر کی متقاضی ہے۔ ذیل میں تقریر کے اس حصہ کا ترجمہ (P.L.D کے شکریہ کے ساتھ) ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے
- مدیر طلوع اسلام)

●●●

خواتین و حضرات!

تغیر' فطرت کا غیر متبدل قانون ہے جس کی رو سے کوئی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بڑے حسین انداز میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ہم سب کو اس قانون فطرت کے سامنے طوعاً" و کرہاً" سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان' جو فطرت کے اس قانون کو اپنی نگہ قلب کے سامنے رکھتا ہے اور جب وہ صاحب اقتدار ہوتا ہے تو اپنے ہر قول اور عمل کو اس احساس و شعور کے تابع رکھتا ہے کہ زود یا بدیر' مجھے اس مسند اقتدار کو چھوڑنا ہے' اور اس کے بعد اپنے چھوٹے بڑے' تمام اقوال و اعمال کا حساب دینا ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (99/7-8)

جو شخص ایک ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا' وہ اس کے سامنے آ جائے گا اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا' وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

یہ خدا کا قانون مکافات عمل ہے جو کسی فرد' قوم یا مملکت کو نہیں بخشتا۔ ہر ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں افراد آتے ہیں' افراد جاتے ہیں' لیکن ادارے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔۔۔ اس خوش بخت انسان کی زندگی قابل رشک ہے۔ (خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی میدان سے ہو) جو اپنے پیش رو کی جگہ لینے کے بعد' نہ تو اس کے تعمیری کارناموں کو تباہ کرے اور نہ ہی ان کی قدر و قیمت کو کم کرے۔ اور اس کے بعد' جب اپنے وقت پر اس منصب کو چھوڑے تو اس طرح کہ جس حالت میں اس نے اسے پایا تھا' وہ اس سے بہتر شکل میں ہو۔ جہاں تک ہمارے ملک کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے' بدقسمتی سے' ان بنیادی اصولوں کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ انہیں بری طرح پاؤں تلے روندا گیا ہے۔ گذشتہ قریب پچیس سال (اب پچاس سال - مدیر) سے ہمارے ارباب نظم و نسق کے اقوال و اعمال میں دو چیزیں بڑی نمایاں نظر آئیں گی۔۔۔ ایک تو یہ کہ جو شخص یا پارٹی' مسند اقتدار سے الگ ہو جائے اس کی تحقیر و تذلیل' دوسرے اپنے متعلق جھوٹا احساس سالمیت -(یہاں انداز یہ چلا آ رہا ہے کہ) ہر آنے والا' اپنے پیشرو کی ایسی تصویر کھینچتا ہے جیسے وہ انتہائی فریب کار اور ملک اور قوم کا بدترین غدار تھا اور اس قابل کہ اسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ اگر ہم اہل پاکستان چاہتے ہیں کہ " جمہوریت "یا "پارٹی گورنمنٹ" جیسے الفاظ با معنی ہو جائیں یا وہ رسوائے زمانہ اصطلاح۔ "ملک اور قوم کے مفاد میں " جو ہر اس شخص کا تکیہ کلام بن جاتی ہے جو جائز یا نا جائز' آئینی یا غیر آئینی' طریق سے اقتدار حاصل کر لے' با مقصد بن جائے' تو ہمیں انگلستان کی تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اس ملک کے شاہنشاہ (John) یا ملکہ اینے (Anne) یا ملکہ وکٹوریہ کے قدیم عہد کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں تو کیفیت یہ تھی کہ مملکت برطانیہ تمام دنیا کی امیدوں کا مرکز بن رہی تھی۔ کرہ ارض کے کسی خطے میں کسی شخص پر بھی ظلم و زیادتی ہوتی تو وہ اس مملکت کو مدد کے لئے پکارتا۔ ان لوگوں کو' ان کی اسی انصاف پسندی اور حسن معاملہ کا خدا کی طرف سے یہ صلہ ملا کہ اس ننھے سے ملک کو " سمندروں کی ملکہ " کا خطاب ملا' اور ایسی وسیع سلطنت جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ میں آپ کے سامنے اس قوم کے اس زریں عہد کی مثالیں پیش نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے بعد اس قوم میں عدل و انصاف کا وہ احساس باقی نہ رہا اور اس کا مظاہرہ " جلیا نوالہ باغ " جیسے وحشیانہ ہوش ربا سانحہ سے ہوا۔ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ جب قومیں اس طرح کے ظلم و استبداد پر اتر آئیں اور اپنی اس روش پر مصر رہیں تو وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قوموں کے عروج و زوال کے اس ابدی قانون خداوندی کی رو سے مملکت برطانیہ بھی روبہ زوال ہو گئی۔ بین الاقوامی رزم گاہ میں اس کی وہ پہلی سی آب و تاب باقی نہ رہی ' حتیٰ کہ اب اس کا شمار دوسرے درجے کی قوموں میں بھی نہیں ہوتا۔ (بایں ہمہ' انہوں نے اپنی داخلی سیاست میں اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھا ہے' اور) میں آپ کے سامنے ان کے موجودہ زمانے ہی کی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

1946ء کے پارلیمانی الیکشن کے زمانے میں' میں حسن اتفاق سے انگلینڈ میں تھا۔ رائے شماری کے دن' ہر دو گھنٹے کے بعد' ریڈیو سے انتخابات کے نتائج نشر ہوتے تھے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب جب کہ ہنوز کئی ایک حلقہ ہائے انتخاب کے نتائج سامنے نہیں آئے تھے' ایسا اندازہ ہوا کہ چرچل ہار رہا ہے۔ (آپ چرچل کی زمانہ جنگ کی شہرت کو سامنے رکھئے) وہ انتخاب میں شریک ہی اس امید پر ہوا تھا کہ وہ چونکہ جنگ کا ہیرو ہے اس لئے اسے شاندار کامیابی حاصل ہو گی۔ لیکن اس کا اندازہ غلط تھا۔ وہ قوم' مسلسل جنگوں سے تنگ آ چکی تھی اور انہیں خطرہ تھا

کہ اگر چرچل پھر برسر اقتدار آ گیا تو انہیں کسی اور جنگ کے میدان میں دھکیل دے گا۔

ریڈیو کے مندرجہ بالا اعلان کے بعد' دوسرا اعلان یہ نشر ہوا کہ اگرچہ انتخابات کے آخری نتائج ہنوز قریب نہیں ہوئے لیکن چرچل نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ہے اور شاہ انگلستان نے ایٹلی کو (جدید حکومت **متشکل** کرنے کے لئے) طلب کر لیا ہے۔ جب رائے شماری کے آخری نتائج کا اعلان ہوا اور چرچل کو شکست ہو گئی' تو وہ ریڈیو پر آیا اور اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ

میری قوم کو مبارک ہو۔ انتخابات نہایت منصفانہ ہوئے ہیں

ایسا چرچل ہی نے نہیں کہا۔ ملک کے کسی گوشے سے کوئی خفیف سا اشارہ بھی ایسا نہیں ہوا جس سے مترشح ہوتا کہ الیکشن میں کسی قسم کی بے **ضابطگی** ہوئی ہے۔ (حالانکہ چرچلی کا ہار جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا!) اس قوم کو مستحق مبارک باد قرار دینے کے لئے یہ بات بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔ لیکن اس کے بعد نئی کابینہ کی تشکیل کے وقت جو واقعہ پیش آیا' اس نے اس قوم کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

دارالعلوم کی روایت کے مطابق' جب نئی پارلیمان کا انتخاب ہوا تو **خریطہ** اعزاز (Roll of Honour) پر پہلے' پارلیمان کا اسپیکر دستخط کرتا ہے۔ پھر وزیر اعظم' اور پھر مختلف وزراء (اپنی سینی آریٹی کے لحاظ سے) ان کے بعد حزب اختلاف کا لیڈر دستخط کرتا ہے' اور بعد ازاں' حروف تہجی کی ترتیب سے' پارلیمان کے ارکان' جب اس **خریطہ** پر' اسپیکر نے دستخط کر دیئے' تو بجائے اس کے کہ' اس کے بعد' ایٹلی' بہ حیثیت وزیر اعظمؒ خود دستخط کرتا اس نے یہ قرطاس چرچل کی طرف بڑھا دیا ور اس سے درخواست کی کہ پہلے وہ دستخط کرے۔ چرچل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے قوم نے مسترد کر دیا ہے' اس لئے میں وزراء کے بعد دستخط کروں گا۔ ایٹلی نے جواب دیا کہ اس میں شبہ نہیں کہ جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ حالات کی بنا پر چرچل انتخاب میں ہار گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ بدستور قوم کا ہیرو اور مملکت کا فرد اولیں (first man) ہے' اس لئے اسپیکر کے بعد اسی کو دستخط کرنے چاہیں نہ کہ مجھے۔۔۔

دونوں اپنی جگہ مصر تھے۔ نتیجہ یہ کہ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے' معاملہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور بادشاہ نے اسے باوقار طریق سے سلجھا دیا۔ اس نے کہا کہ روایت کا تقاضا بے شک وہی ہے جسے چرچل نے پیش کیا ہے لیکن یہ روایات بالاخر قوم ہی کی وضع کردہ ہیں اور جب قوم' اپنے نمائندہ' ایٹلی' کی وساطت سے ایک روایت میں تبدیلی کرنا چاہتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا چرچل کو اس تبدیلی پر رضا مند ہو کر' پہلے دستخط کر دینے چاہیں۔ (یہ تھی اس قوم کی حالت اس زمانے میں جب وہ آمادہ' بہ زوال تھی)۔

اسی زمانے میں مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ (اپنے زمانہ وزارت عظمیٰ کے دوران) چرچل تمام بین الاقوامی کانفرنسوں اور مذاکروں میں' (حزب مخالف کے لیڈر) ایٹلی کو ہمیشہ اپنے ہمراہ لے جایا کرتا اور ایٹلی بھی بلا پس و پیش اس کے ہمراہ چلا جاتا۔ چرچل کے اپنے رفقاء اس سے اکثر کہتے کہ اسے اپنے حریف کو اس قدر اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ اس کے جواب میں چرچل کہتا کہ مجھے اس منصب پر ابد تک تو فائز نہیں رہنا۔ مملکت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ جس شخص نے میرا جانشین بننا ہے اسے امور مملکت سے متعلق تمام اسرار و رموز کا علم ہو۔ اس لئے کہ حقیقی اہمیت ملک اور مملکت کو حاصل ہے' اور ہمیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اسے ذاتی ہوس اقتدار کی قربان گاہ پر ذبح نہیں کر دینا

چاہئے۔۔ اور تاریخ کے طالب علموں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ چرچل نے جو مسلک اختیار کیا تھا وہ اس قوم کی تاریخ میں جدت نہیں تھی۔ اس باب میں وہ اپنے پیشروؤں کے نقش قدم کا اتباع کرتا تھا' اور اس کے جانشین' اس کی روایت کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ انداز جسے وہ سیاسی راہ نما اختیار کرتے ہیں جن کے دل میں ملک اور قوم کی بہبود کا جذبہ موجزن ہوتا ہے' اور جو اپنے تغلب کے لئے اقتدار حاصل نہیں کرتے بلکہ قوم کی خدمت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وہ برسراقتدار ہوں' یا اقتدار سے محروم' جن معاملات میں قوم کا مفاد مضمر ہو' وہ ان میں ایک دوسرے سے پورا پورا تعاون کرتے ہیں جو برسراقتدار آئیں وہ کبھی اپنے پیش روؤں کی خدمات کی قدر وقیمت کم نہیں کرتے' نہ ہی وہ اپنے محلات' اپنے ان پیش روؤں کی قبروں پر استوار کرتے ہیں جنہیں انہوں نے' بعد از مقابلہ یا ایسے ہی باہر نکال دیا ہو۔ ان کے اس مسلک کے پیش نظر' قوم ان دونوں کو جھک کر سلام کرتی ہے۔۔ یعنی انہیں بھی اور ان کے پیش روؤں کو بھی۔ ہمارے ہاں کے سیاسی رہنماؤں' پبلک کے دیگر نمائندوں' حتیٰ کہ حکومت کے ملازمین کو بھی چاہیے کہ وہ (کسی بلند جذبہ کے ماتحت نہیں تو کم از کم اپنے مفاد کے پیش نظر ہی) سعدی کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں کہ

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام **نیکت** برقرار

خواتین و حضرات!

اس کے برعکس جو روش ہمارے ہاں عام ہو رہی ہے کیا وہ ان تمام لوگوں کے لئے وجہ صداضطراب نہیں' جو مملکت پاکستان کی حفاظت اور سالمیت کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔۔۔۔ وہ مملکت' جسے ہم نے ایسی قربانیوں کے بعد حاصل کیا جس کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ یہاں یہ ہو رہا ہے کہ جب تک کوئی شخص برسراقتدار رہتا ہے' اس کا ماضی کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو' اسے شرافت اور نجابت کا پیکر' دیانت اور امانت کا مجسمہ اور ان تمام خوبیوں کا حامل قرار دیا جاتا ہے جو کسی اعلیٰ پائے کے سیاستدانوں اور جانثار محب وطن میں ہونی چاہیں۔ لیکن جونہی وہ اس کرسی سے نیچے اتر آتا ہے' یا اسے دھکیل کر اتار دیا جاتا ہے' تو اسے شیطان لعین قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور' اس کے جواب میں وہ' ان معترفین کی گالیوں کا جواب' اصل اور سود' دونوں کو ملا کر **اضعافاً مضاعفہ** کی صورت میں دیتا ہے۔ اسی طرح' جو شخص کسی ذاتی مایوسی (وغیرہ) کی بنا پر برسراقتدار پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے اور اسے کوئی بلند نصب چھوڑنا پڑتا ہے یا اسے اس کی پارٹی اس بنا پر الگ کر دیتی ہے کہ وہ اس پارٹی کی پالیسی کے **واضعین** کے نزدیک قابل قبول نہیں رہتا' تو وہ اپنے محسن کو۔۔۔ اس محسن کو' جس نے اسے اس شہرت اور عظمت کا حامل بنا دیا تھا دائیں اور بائیں سے لتاڑنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے اس سابقہ ہیرو اور لیڈر کے مبینہ جرائم کا ڈھنڈورہ پیٹنے لگ جاتا ہے۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے خود اپنے دور حکومت میں اس قسم کی بے **ضابطگیاں** کی ہیں تو وہ نہایت ڈھٹائی سے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے ان جرائم کا ارتکاب خود نہیں کیا۔ اس لیڈر (ڈکٹیٹر) کے حکم کے تابع' مجبوراً" ایسا کیا ہے۔ یہ شرمناک ٹیکنیک ایسی ہے جس کی مثال دنیا کی پارٹی گورنمنٹ کی تاریخ کے تاریک ترین دور میں بھی نہیں ملتی۔ یہ کچھ کرنے کے بعد یہ شخص " سرکاری گواہ " کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور پھر (اپنے سابقہ رفقاء اور لیڈر) پر ہر قسم کے شرمناک الزامات عائد کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فریق

مخالف کی طرف سے بھی اسے اسی قسم کا جواب ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روش ان فریقین میں سے کسی کے لئے بھی موجب ستائش قرار نہیں پا سکتی۔ انہی سے ہماری پبلک نے بھی یہ سبق سیکھ لیا ہے کہ مفاد خویش کا تقاضا یہی ہے کہ مرغ بادنما بن کر رہے' اور۔۔ چلو تم ادھر کو' ہوا ہو جدھر کی۔۔ کی منافقانہ روش اختیار کرو۔ یہ روش ان کی ہوتی ہے جو کچھ آواز بلند کر سکتے ہیں۔ باقی رہے بے چارے بے زبان عوام' تو چونکہ ان کے پاس ان الزامات کی تحقیق و تفتیش کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا' اس لئے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں ہوتا کہ وہ فریقین کے تراشیدہ الزامات کو درست تسلیم کر لیں۔ اس کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

(اس کے بعد مجھے ایک اور گذارش بھی کرنی ہے) عہد حاضر میں مملکت کے چار عناصر ترکیبی قرار پاتے ہیں۔ مقننہ' انتظامیہ' عدلیہ اور فوج۔ پاکستان میں جو شخص بھی کسی طریق سے اپنے غیر قانونی ذاتی مفاد کی خاطر ان چار عناصر میں سے کسی ایک کو' بالخصوص عدلیہ کو' کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ملک کا بدترین دشمن اور باغی ہے۔ اسے میں شاعر کی زبان میں صرف اتنی وارننگ دینا چاہتا ہوں کہ

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں اپنا گھر نہ ہو

o o o

YOU SHALL NOT BEAR FALSE WITNESS

O you who believe, you Shall be absolutely equitable, and observe Allah, when you serve as witness, even against yourselves, or your parents, or your relatives. Whether the accused is rich or poor, Allah take care of both. Therefore, do not be biased in your personal wishes, If you deviate or disregard then Allah is fully cognizant of everything you do (Quran 4:135)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے

کارکنان تحریک پاکستان کی یاد میں

(پاکستان محض ایک ریاست نہیں بلکہ آج بھی ایک تحریک' ایک مشن' ایک نظریہ اور ایک عقیدہ ہے۔ قومیں اپنے نظریاتی شعور اور مشاہیر کے لئے عقیدت سے پہچانی جاتی ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جناب محمد نواز شریف صاحب کی حکومت نے تحریک پاکستان کے کارکنوں کے کوائف جمع کئے اور ان کی پذیرائی کے لئے تحریک پاکستان گولڈ میڈل ایوارڈ کا سلسلہ جاری کیا۔ تحریک پاکستان کے جو کارکنان اس اعزاز کے حق دار قرار پائے ان میں طلوع اسلام کے حوالہ سے علامہ غلام احمد پرویزؒ اور خان بخت جمال خانؒ کے نام شامل ہیں ادارہ طلوع اسلام ان تمام محسنین ملت کو سلام پیش کرتا ہے جنہوں نے حضرت قائد اعظمؒ کی تاریخ ساز قیادت میں فرنگی اور برہمنی سامراج کے گٹھ جوڑ کو شکست فاش دے کر اس نظریاتی ریاست کا قیام ممکن بنایا اور شعبہ تحریک پاکستان محکمہ اطلاعات و ثقافت' حکومت پنجاب کا فراہم کردہ علامہ غلام احمد پرویزؒ اور خان بخت جمال خانؒ کا تعارف اور ان کی خدمات کی تفصیل جن کی بنیاد پر انہیں تحریک پاکستان گولڈ میڈل کے اعزاز کا حق دار قرار دیا گیا' اپنے ہاں نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ مدیر مسئول)

علامہ غلام احمد پرویزؒ۔ بٹالہ' دہلی' لاہور

علامہ غلام احمد مرحوم کی تاریخ پیدائش 9 جولائی 1903ء ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکزی حکومت ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومت پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی اقبالؒ ہونے کے ناطے' آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے

صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں، علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرت قائد اعظمؒ نے اپنے قیام شملہ کے دوران علامہ پرویزؒ کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائد اعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ " طلوع اسلام " کے دور جدید کا اجراء مئی 1938ء کے شمارہ کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہنامہ میں پرویز صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ " دو قومی نظریہ " اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا، اس کا آپ نے موثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے، اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کے لئے دشوار تھا تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے، مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے بزم اقبال کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویز صاحب قرآن کریم اور فکر اقبالؒ کی روشنی میں تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیام پاکستان تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ جب 1942ء میں سرخپوشوں اور کانگریس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں، پاکستان میں شمولیت/عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پا گیا تو پرویز صاحبؒ صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ سرحد کی کانگریسی وزارت اور سرخپوش لیڈر خان عبدالقادر کی ہمہ جہت مخالفتوں کی علی الرغم، سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویزؒ 38-1937ء سے حضرت قائد اعظمؒ کے، تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائد اعظمؒ سے بیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں، کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائد اعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آ جانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی، پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائد اعظمؒ، علامہ پرویزؒ پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب اس کا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے انتخاب کے لئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانی پاکستان حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کے خلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مرد مجاہد آڑے آیا اور ہر موقع

پر ایسے مدلل مقالات سپرد قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

✿ ✿ ✿

خان بخت جمال خانؒ۔ نوانکلی ضلع مردان

خان بخت جمال خانؒ 1900ء میں نوانکلی تحصیل صوابی ضلع مردان میں پیدا ہوئے ان کے والد غلام محمد خانؒ بڑے پر جوش مسلمان تھے۔ خان بخت جمالؒ نے مشہور اور عالم ملا باجوڑ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ ملاباجوڑ نے بخت جمالؒ کے دل میں خدا اور اسلام کی چنگاری روشن کی۔ انہوں نے ملابا جوڑ سے درس نظامی کی مختلف کتابیں اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی قیادت میں خلافت کا آغاز ہوا۔ اس وقت تحریک میں شامل ہونا ایک آزمائش سے گذرنا تھا۔ ہندوستان کے بہادر اور دلیر کارکنوں نے اس صدا پر لبیک کہا۔ ان کارکنوں میں خان بخت جمال خان سرفہرست تھے۔

خدائی خدمت گار تحریک شروع ہوئی تو اس میں بھی پٹھانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان دنوں بخت جمال خان اس تحریک سے پوری طرح وابستہ تھے اور علاقہ کے صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ خدائی خدمت گار تحریک کانگریس کے ساتھ منسلک ہو گئی ہے تو ان سے فوری علیحدگی اختیار کی اور ویخ پختون کی بنیاد رکھی۔ ویخ پختون نے زیادہ تر اسلامی نظریات کا پرچار کیا۔

مولانا ظفر علی خان نے مسلم لیگ کے لیڈر کی حیثیت سے صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ صوابی ضلع مردان میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا ظفر علی خانؒ نے تقریر کی اور ساتھ ہی خان بخت جمال خان کو تقریر کی دعوت دی گئی۔ جس پر بخت جمال خانؒ نے اپنے گذرے ہوئے دور کے واقعات کو بیان کیا اور مولانا کی تحریک پر بخت جمال خانؒ مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1940ء کا اجلاس تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس اجلاس میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی۔ بخت جمال خان تاریخی اجلاس میں بڑے جوش و خروش سے شامل ہوئے۔ انہوں نے کارکنوں کے ایک دستہ کی قیادت کی۔

بخت جمال خانؒ قیادت عوام کے ہاتھوں میں سونپنے کے قائل تھے۔ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی وزارت کا قیام عمل میں آیا تو سردار اورنگ زیب خان اس کے وزیر اعظم بنے اور انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں اپنی وزارت کے استحکام پر مرکوز کر دیں۔ مسلم لیگ کے کارکنوں کو جو مسائل درپیش ہوتے' وہ جوں کے توں رہتے۔ یوں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ چند شخصیتوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اس فضا کو ختم کرنے کے لئے بخت جمال خانؒ کو صوبہ سرحد کی مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ قائد اعظمؒ نے انہیں اپنی مجلس عاملہ کا رکن نامزد کیا۔ یہ بخت جمال خان کی ملی خدمات کا اعتراف تھا۔

دوسری جنگ عظیم میں قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کو دفاعی طور پر منظم کرنے کے لئے مرکزی دفاعی کمیٹی قائم کی اور اس کے تحت ہندوستان بھر میں دفاعی کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ خان بخت جمال خان نے صوبہ سرحد میں دفاعی کمیٹیاں تشکیل دیں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو عبوری حکومت میں آئے تو انہوں نے سرحد کے دورے کا پروگرام بنایا۔ پنڈت نہرو عالمی رائے عامہ کو متاثر کرنا چاہتے تھے کہ ایک مسلمان اکثریت کا صوبہ ان کا ہم نوا ہے۔ سرحد کے بہادر پٹھانوں نے یہ عزم کیا کہ وہ پنڈت نہرو کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کریں تاکہ یہ حقیقت آشکار ہو کہ پٹھان تحریک پاکستان کے علم بردار ہیں اور کانگریس کے حامی نہیں ہیں۔ پٹھانوں نے اس کا فیصلہ خان بخت جمال خانؒ کی تحریک پر کیا۔ بخت جمال خان نے احتجاجی مظاہروں کو منظم کرنے کی ذمہ داری لی۔ چنانچہ پنڈت نہرو کے خلاف بھرپور مظاہرے ہوئے جس سے یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ بہادر پٹھان مطالبہ پاکستان کے پر زور حامی ہیں۔

سرحد میں کانگریسی وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی جس میں بخت جمال خانؒ پیش پیش تھے۔ علاوہ ازیں جب سرحد میں استصواب رائے ہوا تو رائے عامہ کو منظم کرنے میں بخت جمال خان نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور بالآخر سرحدی عوام کی اکثریت نے مطالبہ پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔

خان بخت خان ایک مخلص کارکن کی حیثیت سے شریک سفر تھے۔ پاکستان ان کے خوابوں کی تعبیر تھا۔ انہوں نے یہ سفر کسی صلہ یا ستائش کی تمنا کے بغیر کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے کسی عہدہ یا منصب کی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ بخت جمال خان صوبہ سرحد کے گوہر شب چراغ تھے۔ ان کی ساری عمر ملی و قومی خدمت میں گزری۔ وہ ایک شمع تھی جو پاکستان کو اپنے خون دل سے منور کرتی رہی۔ زندگی کے آخری لمحات تک پاکستان کی خدمت کے لئے وقف رہے اور پاکستان کے اتحاد و یکجہتی کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی پیش بینی تھی کہ وہ آنے والے حالات کا سالہا سال قبل اندازہ کر لیتے تھے اور پھر بلا خوف و خطر میدان عمل میں گامزن ہوتے۔ صلہ و ستائش سے بے نیاز تھے۔ حق گوئی و بے باکی ان کی سیرت کا درخشاں جوہر تھا۔ دیانت و امانت کا مرقع تھے۔ اپنی طویل سیاسی زندگی میں وہ کبھی مورد الزام نہ ہوئے۔ قائد اعظمؒ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ وہ جب اپنے سیدھے سادے انداز میں حالات پر تبصرہ کرتے اور اپنی رائے پیش کرتے تو قائد اعظمؒ بڑی داد دیتے۔

انہوں نے 24 فروری 1975ء کو وفات پائی۔

❁❁❁

PATIENCE

Resorting to patience and forgiveness reflects a true strength of character (Quran 42:43)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایاز حسین انصاری

نشان راہ

ویسے تو سال کے سب دن ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن کسی دن اگر کوئی اہم' قومی' تاریخی' ناقابل فراموش واقعہ نمودار ہو جائے تو اس دن کو خصوصی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اور قوم اس دن کو اس واقعہ کی یاد میں تیوہار کے طور پر مناتی ہے۔ اس دن اجتماعی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں جن میں فرزندان قوم اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں جذبات کا اظہار انسانی ذات کی نشو و نما کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جذبات ہی وہ قوت ہیں جو انسانی عمل کے محرک بنتے ہیں انہیں اگر ہدایات خداوندی کے تابع رکھا جائے تو ان سے بڑے تعمیری کام لئے جا سکتے ہیں۔

ان دنوں میں سے کچھ دن واقعات کی اہمیت کی بنا پر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو قرآن مجید کے الفاظ میں " ایام اللہ " (اللہ کے دن) کہا جاتا ہے ان میں وہ دن خاص طور پر قابل ذکر ہوتے ہیں جن میں انقلاب خداوندی برپا ہو۔ مثلاً" داستان بنی اسرائیل میں آیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (سورۃ ابراہیم آیت 5)

مفہوم: اس نہج کے مطابق ہم نے موسیٰؑ کو اپنے ضابطہ قوانین کے ساتھ بھیجا کہ وہ بنی اسرائیل کو موت کی تاریکیوں سے نکال کر زندگی کی روشنی میں لے آئے اور انہیں ان تاریخی سرگزشتوں کی یاد دلائے جن میں نظام خداوندی کو غلبہ اور تسلط حاصل ہوا تھا۔ ان سرگزشتوں میں ان لوگوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو مستقل مزاجی اور ثابت قدمی سے کام لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی کوششیں بھرپور نتائج کی حامل ہوں۔

آج ہم بھی آزادی کی پچاسویں سالگرہ منانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ وہ دن ہے جس دن ہمیں ایک ایسا خطہ زمین حاصل ہوا تھا' جس میں ہم دین خداوندی کے مطابق زندگی گذار سکیں۔ یہ وہ نعمت ہے جس پر ہم جتنی بھی خوشی منائیں کم ہو گی۔ لیکن آیئے دیکھیں وہ نظریہ جس کی بنیاد پر ہمیں یہ خطہ زمین حاصل ہوا تھا۔ وہ نظریہ تھا کیا۔ وہ نظریہ' اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ قرآن کریم کے مطابق قومیت کا مدار ایمان (Ideology) کے اشتراک پر ہے۔ اس اعتبار سے دنیا میں صرف دو ہی قومیں آباد ہیں دو قوموں سے مراد ہندو اور مسلمان نہیں بلکہ ایک قوم وہ ہے جو قرآن کریم میں عطا کردہ صداقتوں (Ideology) پر ایمان رکھتی ہے۔ اور دوسری قوم ان انسانوں پر مشتمل ہے جو ان صداقتوں (Ideology) پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآنی صداقتوں پر یقین اور ایمان رکھنے والوں کو امت مسلمہ یا جماعت مومنین کہا جاتا ہے۔

جو قرآنی صداقتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کو نہ ماننے والی قوم یعنی قوم الکافرین کہا جاتا ہے۔
قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ۔

خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَ مِنكُم مُّؤْمِنٌ (سورۃ التغابن آیت 2)

اس نظریہ کو دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے۔ جہاں تک قرآنی نظریہ پاکستان کا تعلق ہے ہمارا ایمان ہے کہ کائنات میں ہر شے قوانین خداوندی کے سامنے سجدہ ریز ہے وہ ان قوانین کی پوری پوری اطاعت کرتی ہے۔ اس سے ہر شے نشو و نما پاتی ہوئی اپنی منزل مقصود' جو اس کے لئے مقرر کی گئی ہے' تک پہنچ جاتی ہے۔ جس طرح کائنات کی ہر شے کے لئے قوانین خداوندی مقرر اور متعین ہیں اسی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی قوانین عطا کئے گئے ہیں۔ یہ ضابطہ قوانین قرآن کریم میں موجود ہے۔ اس ضابطہ قوانین کو الدین کہا گیا ہے۔ ان قوانین کو انسان زندگی میں عملاً" اختیار کیا جاتا ہے۔ اس کے نفاذ کا طریقہ بھی قران کریم میں دیا ہوا ہے۔ وہ طریق جس کے مطابق انسان اس ضابطہ زندگی کو اختیار کرتا ہے " الاسلام" کہلاتا ہے۔
قرآن کریم میں ہے کہ اپنا نظام حکومت کتاب اللہ (قرآن مجید) میں دیئے ہوئے اصول و قوانین کے مطابق قائم کرو۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ

تمہاری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے تاکہ تم نوع انسان کے درمیان ایسا نظام حکومت قائم کرو جیسا کہ اللہ نے تمہیں اس کتاب کے ذریعے سمجھایا ہے۔ (سورۃ النسا آیت 105)

اور فرمایا گیا کہ اپنا نظام حکومت قرآن کے مطابق قائم نہ کرنے والے کافر ہیں۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

جو لوگ اپنا نظام حکومت' اللہ کے نازل کردہ قرآن کے مطابق قائم نہیں کرتے یہی لوگ کافر ہوتے ہیں (سورۃ مائدہ آیت 44) یہ لوگ ظالم ہیں (آیت 45) اور یہی لوگ فاسق ہیں (آیت 47)

ظاہر ہے کہ اس قسم کے قرآنی نظام کو عملاً" قائم کرنے کے لئے خطہ زمین کا حصول اسلام کا تقاضا تھا۔ جس دن مسلمانان ہند نے انسانوں کی محکومیت اور غلامی سے نجات حاصل کر کے اطاعت خداوندی کو اپنا شعار زندگی قرار دیا تھا اس دن کا شمار بھی قرآن کریم کی روشنی میں اللہ کے دنوں (ایام اللہ میں ہوتا ہے)۔ اس کی یاد ہمیں بھرپور انداز میں منانی چاہیے۔ لیکن دن کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو تیوہار اگر رسمی طور پر منایا جائے تو اس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تیوہار منانے والوں کے سامنے ایک مقصد ہونا چاہیے۔ آج کل ملک انتشار و خلفشار کا شکار ہو رہا ہے کیونکہ نئی نسل کو بتایا ہی نہیں گیا کہ ہم نے پاکستان مانگا کیوں تھا اور اس کا مقصد کیا تھا اس لئے وقت کا تقاضا ہے کہ ہم آج کے دن خصوصی طور پر دو قومی نظریہ اور قرآنی نظریہ پاکستان کو اپنی تحریروں اور اپنی تقریروں کا مرکزی موضوع بنائیں تاکہ نصب العین واضح طور پر ہماری نوجوان نسل کے سامنے آ جائے اور وہ اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔ علامہ اقبال" نے کہا تھا کہ اگر وطنیت کو معیار قومیت قرار دے دیا گیا تو اس کا نتیجہ لادینی ہو گا اور قائد اعظم" نے فرمایا تھا کہ اگر ہم نے دو قومی نظریہ کی بنا پر پاکستان حاصل نہ کیا تو برصغیر میں نہ مسلمان باقی رہیں گے نہ

اسلام۔ درحقیقت پاکستان قرآنی نظریہ حیات کا دوسرا نام ہے۔

ایک اور بات بھی وضاحت طلب ہے۔ قومی تحریک نے اس خطہ زمین کو حاصل کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی لیکن نیشنلسٹ علماء حضرات نے اس کے حصول کی راہ میں بڑے روڑے اٹکائے اور اس کی بھرپور مخالفت کی۔ ایسا کیوں ہوا؟ تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اس خطہ زمین میں " دین " کا نظام قائم ہو جائے۔ مخالف نیشنلسٹ علماء کا گروہ بھی یہی دعویٰ کرتا تھا کہ وہ بھی اسلام کا تحفظ چاہتے ہیں تو پھر نزاع کی بنیاد کیا تھی؟ نزاع کی بنیاد تھی دونوں گروہوں میں اسلام کے تصور کا اختلاف۔ نیشنلسٹ علماء کا نقطہ نظریہ تھا کہ اسلام کا مقصد ہے مسلمانوں کے لئے اعتقادات اور شخصی قوانین کا تحفظ جو ہندو دے رہا تھا۔ بقول ان کے مملکت کا نظام کوئی بھی کیوں نہ ہو اس سے اسلام کو غرض نہیں۔ کانگریس کا بھی یہی موقف تھا۔ اس کے برعکس تحریک پاکستان کا موقف تھا کہ اسلام مذہب نہیں اسلام " دین " ہے۔ دین کے معنی نظام و دستور حیات ہے۔ دین زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ نظام معاشرت اور نظام مملکت دونوں دین کے اندر ہوتے ہیں لہٰذا یہ نظام حکومت ہی قائم کر سکتی ہے۔ "الدین " (اسلامی نظام) انسان کی پوری کی پوری زندگی پر محیط ہے اور یہ نظام اس صورت میں زندہ اور قائم ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کی اپنی آزاد حکومت ہو جس کے لئے اپنی آزاد مملکت کا حصول نہایت ضروری ہے۔ یہ دین کا تقاضا ہے۔ اس کا مقصد ہے تکریم انسانیت یعنی کوئی انسان دوسرے انسان کا محکوم ہو' نہ محتاج۔ مسلمان امت واحدہ کے افراد ہوتے ہیں اور سب ایک ہی ضابطہ قوانین کے تابع زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ قوانین قرآن مجید کی ابدی اور غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے امت کے باہمی مشورے سے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق وضع کئے جاتے ہیں۔ ان کا نفاذ مملکت کی سینٹرل اتھارٹی کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اختلافی جنگ میں تحریک پاکستان کامیاب ہو گئی اور مسلمانوں کو ایک خطہ زمین حاصل ہو گیا۔

پاکستان کا حصول دنیا میں ایک معجزہ ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ صرف چند سالوں کے عرصہ میں کسی خلفشار برپا کرنے اور قطرہ خون بہائے بغیر ایک عظیم مملکت کیسے حاصل ہو گئی۔ یہ ثبوت ہے مطالبہ پاکستان کی معقولیت اور صداقت کا۔ قائد اعظمؒ کی دیانت و امانت' خلوص اور تگ و تاز کا' یہ نتیجہ ہے قائد اعظمؒ کے نسبتاً گمنام ساتھیوں کی مخلصانہ جدوجہد کا' جنہوں نے اس تحریک کی عمارت کی تعمیر میں بنیادی اینٹوں کا کام کیا لیکن دیکھنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔

قیام پاکستان کے بعد ہمارا عظیم فریضہ تھا کہ ہم قرآنی نظام قائم کرتے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا اور جس میں تمام معاملات کے فیصلے قوانین خداوندی کی رو سے ہوتے۔ حکومت انسانوں کے لئے سامان نشو و نما فراہم کرتی اور نوع انسانی کے لئے امن و سلامتی کی ضمانت مہیا کرتی۔ قوم کو زندگی کی خوشگواریاں اور سرفرازیاں عطا ہوتیں لیکن افسوس کہ ہم قوانین خداوندی کے اتباع کی بجائے اپنے مفاد پرستانہ جذبات کے پیچھے چل نکلے۔ نام تو لیا اسلام کا لیکن قرآن کا نظام چھوڑ کر باطل کا نظام قائم کر دیا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم قرآن پر اور کتب سابقہ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ ہم اپنے

معاملات کے فیصلے انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی رو سے کروائیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہر غیر خدائی قانون سے انکار کر دیا جائے۔ ہم نے قرآنی قوانین سے اعراض برتا اور گمراہ ہو گئے جس کے نتیجے میں اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا۔ معاشرہ میں ناہمواریاں پھیلا کر فساد برپا کر دیا۔ افراد معاشرہ کو طرح طرح کے خوفوں میں مبتلا کر دیا۔ غلط نظام کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ ہماری معیشت تنگ ہو رہی ہے۔ بھوک اور خوف کا عذاب طاری ہو رہا ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے اب بھی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ باز آفرینی کی گنجائش موجود ہے۔ پلٹ آؤ نظام خداوندی کی آغوش رحمت و حفاظت کی طرف۔ لیکن اس میں دیر نہ کریں۔ قرآن کہتا ہے۔

جو لوگ ہمارے قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ پر زیادتی کر بیٹھے ہیں ان سے کہہ دو کہ ان کے لئے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ان کے جو حالات' ہمارے قوانین کے خلاف چلنے سے بگڑ گئے ہیں' وہ ہمارے قانون کے مطابق چلنے سے پھر سنور سکتے ہیں۔ یہ قانون ایسا ہے کہ اس کے اتباع سے سابقہ لغزشوں کے پیدا شدہ نقصانات کی تلافی بھی ہو جاتی ہے' اور مزید نشو و نما کا سامان بھی مل جاتا ہے۔ اس سے تخریبی عناصر سے حفاظت اور تعمیر خویش کے مواقع دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا تم خدا کے قانون کی طرف رجوع کرو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دو لیکن اس میں دیر مت کرو اس لئے کہ جب یہ مہلت کا وقفہ ختم ہو گیا اور ظہور نتائج کا وقت آ گیا تو پھر تمہیں اس تباہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ (مفہوم سورہ الزمر آیت 54-53)

لہٰذا قرآن کا تقاضا ہے کہ پاکستان کے آئین میں مناسب ترامیم کر کے اسے قرآن کے مطابق بنایا جائے یہ شق بھی رکھی جائے کہ مسلم اور غیر مسلم ایک قوم کے فرد قرار نہیں دیئے جا سکتے اور مسلمانوں میں متعدد قوموں کا نظریہ اسلام کی ضد اور مملکت کے خلاف بغاوت کے مرادف ہے۔

●●●

VIRGINITY

The true believers who care about their children will advise them and remind them repeatedly and persistently (Al-Quran 20:132) to keep their chastity. This means staying virgin until their wedding night, then staying loyal to one's spouse – never committing adultery – for their own happiness. Allah's advice to keep our chastity, before and after marriage, is for our own good. Allah is the one who controls our health, wealth, and happiness or misery (Al-Quran 53:43,48)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ہماری معاشی بیماریوں کا علاج

میرا خیال ہے عنوان میں ہماری سے مراد ہم پاکستانی ہی ہیں ورنہ تو یہ عنوان سارے بنی نوع انسان پہ محیط ہو سکتا ہے' ویسے انصاف کی بات ہے کہ دنیا میں کہیں بھی انسان معاش کے معاملے میں مطمئن نظر نہیں آتا' مغرب کے وہ ممالک جنہیں ترقی یافتہ کہا جاتا ہے وہاں بھی Slum Areas موجود ہیں' وہاں بھی بیکاری ہے' وہاں بھی بھوک ہے' وہاں بھی غربت ہے اور ہم تو ویسے ہی تیسری دنیا کی اقوام میں سے ہیں ترقی یافتہ اقوام کے باسود قرض یا بھیک (جسے وہ امداد کہتے ہیں) پر گزارہ چلا رہے ہیں اور یہ قرض ہے کہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے' اب تو اس کا سود بھی اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ ہمارے بجٹ کا ایک بڑا حصہ اسی پر اٹھ جاتا ہے' پھر جب ہم اپنی مالی مشکلات کا رونا روتے ہیں تو یہ ممالک اپنی ایجنسیوں کے ذریعے مزید قرض دینے سے پہلے وہ طریقے سمجھاتے ہیں بلکہ Dicatate کرتے ہیں جن کے ذریعے ریونیو بڑھا کر سود واپس کیا جا سکے جس کا نتیجہ مختلف ٹیکسوں میں اضافے اور ضروریات زندگی.... گیس' بجلی' پٹرول حتیٰ کہ اشیائے خورد و نوش کی مہنگائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اول تو دوسروں کے دیئے ہوئے پہ گزارہ ہی جہنم کی زندگی ہے' اس پہ یہ مشورے اور مداخلتیں ہماری آزادی پر ایک تلخ تبصرہ ہے' جو دوسروں کی بھیک پر گھر چلا رہا ہو وہ آزاد کہاں ہوتا ہے۔ اور یہ بات آج نہیں مدتوں سے یونہی چلی آ رہی ہے' آج سے چالیس پینتالیس سال پہلے بھی کراچی میں اونٹوں کے گلے میں " تھینک یو امریکہ " کی تختیاں لٹکتی دیکھی گئیں جب امریکہ نے ہمیں اپنی بچی کھچی گندم سمندر میں پھینکنے کی بجائے دان کی تھی۔

یہ بیرونی امداد بظاہر ترقیاتی کاموں کے لئے دی جاتی ہے' اس میں سے بہت سا روپیہ امداد کے ساتھ آئے مشیروں کی تنخواہوں اور سہولتوں پر خرچ ہو جاتا ہے اور باقی میں سے بیشتر بیوروکریسی اور سیاستدانوں کی عیش کوشیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔

کچھ محتسبوں کی خلوت میں 'کچھ زاہد کے گھر جاتی ہے
ہم بادہ کشوں کے حصے کی اب جام میں کم تر جاتی ہے

عوام تک اس کا اثر کیا پہنچتا ہے افسروں اور سیاستدانوں میں کینسر کی طرح پھیلی ہوئی کرپشن کی جڑوں کا سراغ اس ایڈ میں ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

امداد کے باوجود ملک میں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا جا رہا ہے' طبقات میں تفاوت بڑھتی جا رہی ہے' محنت' محنت کش کرتا ہے دولت زمیندار اور کارخانہ دار کے ہاں جمع ہوتی جاتی ہے محنت کرنے

والا محنت کے باوجود ہاتھ پھیلائے آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

سرمایہ دار اس کی محنت کا معاوضہ اس کے ہاتھ پر یوں رکھتا ہے۔

دست دولت آفرین کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

صدیوں صدیوں انسانی تاریخ یہی بتا رہی ہے کہ انسان استبداد اور ظلم کا شکار چلا آ رہا ہے۔

تاریخ میں اگر کبھی ایسا ہوا بھی کہ لوگ ظلم کے خلاف اٹھے اور میدان ان کے ہاتھ رہا تو بہت جلد انہی میں سے کچھ ہشیار لوگ انہی کے ہمدرد بن کر ان کے حاکم بن بیٹھے' ایک مستبد گروہ کی جگہ دوسرا مستبد گروہ' ایک ظالم حاکم کی جگہ دوسرا سریر آرائے سلطنت ہو گیا' فرانس کے انقلاب نے (Liberty Equality Fraternity) کا نعرہ دیا مگر بات صرف نعرے تک رہی' خواجہ بلند بام ہی رہا اور بندہ کوچہ گرد کا کوچہ گرد ---- دراصل ان مستبد حاکموں نے پیہم و مسلسل مراعات کے بل بوتے پر ایک مراعات یافتہ طبقہ کا حصار اپنے گرد بن رکھا ہے اور پھر انہیں اپنے ہی پروردہ مذہبی طبقوں کی آشیر باد بھی حاصل رہتی ہے۔

حکمران ان کے گرد تقدس کا ہالہ بنتے ہیں اور یہ اس کے بدلے میں حکمرانوں کو خدائی اختیارات کا حامل ہونے کی سند دیتے ہیں' جب تک راج گرو مہاراج کے ماتھے پہ تلک نہ لگائے وہ راج سنگھاسن پر براجمان نہیں ہو سکتا' چرچ نے انگریز حاکموں کو خدائی اختیارات Divine rights of Kings عطا کر رکھے تھے--- ہمارے دور ملوکیت کے مذہب نے بھی مطلق العنان حاکموں کو ظل اللہ فی الارض کا درجہ دے رکھا تھا۔ اسی لئے روس کے اشتراکی انقلاب نے حکمران طبقوں کے ساتھ ہی ساتھ مذہب سے بھی بغاوت کا اعلان کر دیا اور مساوات پر مبنی محنت کشوں کا معاشرہ اور حکومت قائم کرنے کا دعویٰ کیا۔ مگر مساوات شکم پر استوار یہ معاشرہ ایک صدی بھی نہ چل سکا اور ہماری آنکھوں کے سامنے ریت کے گھروندے کی طرح زمین بوس ہو گیا۔

مغرب نے خوشی کے شادیانے بجائے کہ کمیونزم ناکام ہو گیا' مسلمانوں نے بھی مسرت کا اظہار کیا کہ اس پر لادینی نظام ہونے کی مہر تھی--- حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام بھی مادیت ہی پہ یقین رکھتا ہے' مذہب کو اس نے چرچ کی چاردیواری میں بند کر رکھا ہے مغرب نے اسے جبر کے نظام کا طعنہ دیا' اس کی ناکامی کی وجہ اس کے (ورکرز) محنت کشوں میں کسی جذبہ محرکہ کے نہ ہونے کو قرار دیا' سرمایہ دارانہ نظام میں زیادہ کمانے اور اس کمائی کے بل پر زیادہ پر آسائش زندگی گزارنے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ایسا جذبہ محرکہ ہے جو بہرحال ایک فرد کی تسکین کا موجب ہو سکتا ہے۔ مختلف لوگوں میں کمانے کی مختلف استعداد' انسانوں کی صلاحیتوں میں فرق کو بنیاد بناتے ہوئے یہ نظام ان صلاحیتوں کے بل پر کمائی ہوئی دولت کو افراد کا حق قرار دیتا ہے اور اس میں (سوائے

ریاست کے عائد کردہ ٹیکس کے) کسی کی دخل اندازی کو انسانی حقوق میں مداخلت کا نام دیتا ہے۔۔۔

ہمارے ہاں بھی روائتی مذہب کے علمبردار طبقے نے صلاحیتوں کے بل بوتے پر انفرادی دولت اور جائداد کو تقدس کا درجہ دے رکھا ہے' ہمارے آج کے دور کے عالمی سطح پر تشہیر کردہ علماء اپنی تحریروں میں بے حد و حساب زمین اور جائداد کے جواز میں دلائل دیتے ہیں اور دور ملوکیت کی نقصوں پر پلنے والے ان علماء کے تقدیر کے فلسفے نے تو اونچ نیچ' امارت و غربت' شکم سیری اور محرومی کا خدائی جواز مہیا کر کے کسی بھی قسم کی عوامی جدوجہد کا رستہ ہی روک دیا۔

تو بات ٹھہری صلاحیتوں اور استعداد کے فرق' ذرائع پیداوار پہ تصرف اور کام کرنے کے لئے کسی جذبہ کی موجودگی کی' پہلے ہم ذرائع پیداوار پر تصرف کا جائزہ لیتے ہیں' سب سے اہم مسئلہ زمین کی ملکیت کا ہے کیونکہ یہ رزق کا سرچشمہ ہے' ہر صاحب اقتدار نے اسی پر قبضہ کے بل پر لوگوں کو غلام بنایا ہے' فرعون نے جب انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگایا تو تائید میں کہا' بتاؤ کہ یہ ملک مصر کی زمینیں اور نہریں کس کی ملکیت ہیں؟ آج بھی سب فراعین کا یہی دعویٰ ہے' یہ زمین پر قابض افراد ہوں یا اشتراکی ریاست۔

صرف ایک ہی مقام ہے جہاں اس کی نفی ملتی ہے اور وہ مقام ہے کتاب اللہ' اس میں خود خالق کائنات اسے ارض اللہ۔ اللہ کی زمین کہہ کر پکارتا ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ زمین انسان کی تخلیق سے پہلے موجود تھی۔ یہ حقیقت ہے تو پھر یہ انسان کی ملکیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اور اس کے اندر رزق پیدا کرنے کی صلاحیتیں کیا انسان کی ودیعت کردہ ہیں؟ انسان تو تھوڑی سی محنت کرتا' ہل چلا کر بیج دبا دیتا ہے' اس بیج سے فصل کون اگاتا ہے' اس فصل کی حفاظت کون کرتا ہے' وقت پر بارش' حرارت' سورج کا طلوع' موسموں کا تغیر و تبدل کس کے اختیار میں ہے۔۔۔ یہ سب باتیں سورہ واقعہ کی آیات 63 سے 74 تک کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں' علامہ اقبالؒ نے ان باتوں کو اپنے دلکش پیرائے میں یوں بیان کیا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد ساز گار
خاک یہ کس کی ہے' کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
وہ خدا یہ زمین میری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کو نہیں' تیری نہیں' میری نہیں

سورہ واقعہ میں بیان حقیقت کے بعد انسان سے کہا غور کرو اس پروگرام میں تمہارا حصہ کتنا ہے اور نظام خداوندی کا کس قدر اس میں تمہارا حصہ بقدر تمہاری محنت کا ہو سکتا ہے' تم اپنی محنت کا معاوضہ بقدر اپنے

ورش کے رکھ لو اور ہمارا حصہ ہمیں دے دو۔

سوال یہ پیدا ہوا آپ کا حصہ آپ کو کیسے پہنچائیں۔۔۔ کہا گیا یہ متاعاً" للمقوین ہے' ضرورت مندوں کو پہنچا دو' ہم تک پہنچ گیا۔

لیس لانسان الا ماسعٰی یسئلون ء ماذا ینفقون کے درمیان کیسا قریبی تعلق قائم ہوتا نظر آتا ہے۔

کھیتی کے علاوہ زمین میں چھپے' معدنیات' گیس' تیل اور دوسرے خزانوں کا قصہ بھی اس سے مختلف نہیں' وہ نہ ان کو پیدا کرنے پر قادر تھا' نہ محفوظ رکھنے میں اس کا کوئی ہاتھ تھا' اپنے علم کے زور پر وہ اس قابل ہوا کہ ان سے فائدہ اٹھا سکے اور یہ علم بھی اسے کسی اور نے نہیں خدا نے سکھایا۔

اب رہیں صلاحیتیں اور استعداد تو سرمایہ داروں نے اس کا کریڈٹ خود لینا چاہا' قارون سے جب سوال کیا گیا تھا تو اس نے جواب دیا تھا **انما اوتیه علٰی علم عندی**(28/78)۔ یہ میرے کسب و ہنرمندی کا نتیجہ ہے جو قارون نے کہا تھا وہی آج کا سرمایہ دار کہہ رہا ہے۔

کبھی کسی نے سوچا کیا یہ انسان کے اختیار میں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ میں یہ صلاحیتیں لے کر دنیا میں آؤں گا' کیا اسے اپنے پیدا ہونے پر اختیار ہے' اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا کل تک تو تم کوئی قابل ذکر شے ہی نہ تھے ہم نے تمہیں زندگی دی' اس نے یہاں تک کہا کہ ہم نے تمہیں بولنا سکھایا' ہم نے تمہیں اس قابل بنایا کہ تم لکھ سکو تم علم حاصل کر سکو۔

مگر حاصل محنت دوسروں کو دینے کا جگر کہاں سے آوے' اس کا جذبہ محرکہ کیسے ملے' انسان کہتا ہے استعداد جیسے بھی مل گئی' علم جیسے بھی حاصل ہوا ماحصل اس کا حق ہے۔۔۔۔ وہ اپنی محنت کی کمائی دوسروں کو کیوں دے' اگر یہ کمائی دوسروں ہی کو دینی ہے تو وہ خود کو محنت کی بھٹی میں کیوں ڈالے' کیوں نہ زندگی آرام سے گزارے' کم محنت کرے۔۔۔۔ یہ بات مادیت پر یقین رکھنے والے دونوں گروہوں کی سمجھ سے باہر ہے۔

لینن کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اعتراف کیا " نوع انسانی کن مراحل سے گزر کر اور کن عملی اقدامات کی رو سے اس بلند مقصد کو حاصل کر سکے گی اس کی بابت ہم نہ کچھ جانتے ہیں نہ جان سکتے ہیں یہ اس لئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا مواد نہیں جس سے ان سوالات کا جواب دیا جا سکے"

اور برزرنیف نے 67 یا 68 کی عالمی کمیونسٹ کانفرنس میں تسلیم کیا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنی نئی نسل کو جس نے استحصال نہیں دیکھا کیا کہہ کر کام پہ اکسائیں"

یہی عجز ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئی' یہی اس کے زوال کا باعث ہوئی۔

دیکھا جائے تو ناکامی اس کے ضمیر میں تھی۔ پاکستان کا تصور دینے والے کے دیدہ بینا نے بہت پہلے اس طرف اشارہ کر دیا تھا کہ تمہارا نظام نفی پر مبنی ہے' ہر شے کی نفی' لا سلاطین' لا کلیسا' لا الہ۔۔۔۔ حالانکہ زندگی کے تقاضے اور ہیں۔

درمیان لا ناسیاد حیات' سوئے الامی خرامد کائنات

اسے معلوم تھا موت اس کا مقدر ہے۔۔۔۔ نفی بے اثبات مرگ امتاں
اس نے اسی وقت اسے خبردار کر دیا تھا۔

اے کہ می خواہی نظام عالمے
جستہ ای اورا اساس محکمے

مساوات پر مبنی اس نظام کو اساس وحی خداوندی کے علاوہ اور کہیں نہ مل سکتی تھی' مادیت پر مبنی کوئی فلسفہ اس کی تشفی کم نہیں کر سکتا' کاش اسے کوئی اس تصور حیات سے متعارف کرا دیتا جو قرآن پاک دیتا ہے قرآن کے مطابق زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں' موت اس کا انجام نہیں' زندگی ایک جوئے رواں ہے' اس دنیا کی طبعی عمر ختم ہونے پر یہ جوئے رواں بس ایک موڑ کاٹ کر نظروں سے اوجھل ہو کر نئی منزلوں کا رخ کر لیتی ہے' رکتی نہیں' انسان حیوان سے اعلیٰ تر مخلوق ہے جسے اختیار اور ارادہ دیا گیا ہے' اس کی اپنی ایک انفرادیت ہے' اپنی ایک ذات ہے' خودی ہے جو ایک مکمل اور منفرد شے ہے۔

اس کا جسم ان چیزوں سے پرورش پاتا ہے جو یہ کام میں لاتا ہے اس کی ذات کی پرورش ان چیزوں سے ہوتی ہے جو وہ احکام خداوندی کی بجا آوری میں دوسروں کی پرورش کے لئے دیتا ہے۔ انہیں وہ اعمال صالحہ کہتا ہے' موت سے یہ جسم یہاں رہ جاتا ہے' ذات آگے بڑھ جاتی ہے' جس حد تک کسی نے اس ذایت کی پرورش کی ہو گی اسے بنایا سنوارا ہو گا اسی کے مطابق اسے اگلی زندگی میں درجات ملیں گے' ان حقیقتوں پر دل کی گہرائیوں سے یقین رکھنے کو ایمان (Conviction) کہتے ہیں اور ایسا ایمان رکھنے والے کو ہی تو مومن کہا جاتا ہے اور جو وقت پڑنے پر کسی قدر خداوندی کی پاسداری میں مال تو کیا جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے وہ گویا زندگی کے تسلسل پر ایمان کی گواہی دیتا ہے' ایسی گواہی ایسی شہادت دینے والے کو اسی لئے تو شہید کہتے ہیں۔

ایسی اقدار پر مبنی معاشرے کے افراد جن کی تعلیم و تربیت ان خطوط پر ہو چکی ہو' انہی سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کو نعمائے خداوندی سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ محنت سے کام گر کے حاصل محنت سے بقدر ضرورت لے کر باقی ماندہ ان لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان کے سپرد کر دیں جن کو وہ یہ فریضہ سونپ دیں۔

ٹیکس گزاروں اور ٹیکس چوروں کی سوسائٹیوں میں کون اپنی محنت کی کمائی ارباب اختیار کے سپرد کر دے اور خود بے سہارا ہو جائے۔ مگر جس معاشرے کی میں بات کر رہا ہوں اس کے ارباب اختیار خود کو اپنی مملکت میں بسنے والے ہر جاندار کی ضروریات کے ذمہ دار سمجھیں گے۔ فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوک سے مر جائے تو عمر سے اس کی بھی باز پرس ہو گی' اسی احساس نے کہلوایا تھا۔ ایسے ارباب اختیار کی دیانتداری پہ کوئی انگلی تو کیا اٹھائے گا آنکھ بھی نہ اٹھا سکے گا۔ یہی لوگ قرآنی مملکت کی یہ ذمہ داری اٹھا سکیں گے جو یہ دعویٰ رکھتی ہے۔ **(نحن ترزقکم وایاھم)** کہ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔

ایسی ریاست کے ریوینیو کا آپ تصور تو کریں جہاں ہر شخص اپنے کل سے بے نیاز ہو کر اپنی مضمر

صلاحیتوں کی دریافت اور تعمیر میں منہمک ہو' ایسے آزاد معاشرے کو تصور میں لایئے' ایسے بے خوف اور آزاد معاشرے کو جس میں کسی کے رستے میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنا مقام حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی' ایسے میں کیوں نہ ملک کے گوشے گوشے سے **نابغہ** روزگار شخصیتیں ابھر کر سامنے آئیں گی۔ ایسا ملک کیوں نہ بڑے بڑے سائنس دانوں' فلسفیوں' معالجوں' انجینئروں' شاعروں' فنکاروں اور مصوروں کی آماجگاہ ہو گا جو اپنے اپنے دائرے کار میں ہمہ وقت انسانیت کی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے مصروف عمل ہوں گے۔

ان سب لوگوں کے اذہان اور کروڑوں ہاتھوں کی محنت کے بل پر قائم ایسی ریاست کی ہمسری کون کر سکے گا' جو امت یوں پروان چڑھے گی کون اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے گا' اس وقت یہ راز کھلے گا۔

کوئی کب اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حصول پاکستان کا مقصد ایسے ہی معاشرے کی تشکیل تھا--- آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کی اس حکمت پر بھی غور کیا کہ یہ ملک تاریخ کے کس موڑ پر دنیا کے نقشے پہ ابھرا' جنگ عظیم دوم کے بعد ہارا ہوا گروہ تو نڈھال تھا جیتنے والوں کا حال بھی کچھ بہتر نہیں تھا' ایسے میں نئے معاشرے کو ابھرنے سے کوئی نہ روک سکتا تھا' اللہ نے ہماری تعمیر و ترقی کے لئے ساری راہیں کشادہ کر رکھی تھیں مگر ہم الاٹمنٹوں کے چکر میں ایسے الجھے' مال غنیمت' پکی پکائی کے ایسے خوگر ہوئے کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ--- ورنہ اب جب کہ کمیونزم کا محل ریت کا گھروندا بن گیا اور نظام سرمایہ داری کے ہاتھوں ایک عالم تنگ ہے یہ خطہ زمین روشنی کا ایسا مینار ہوتا کہ دنیا کے ساری دکھی لوگ' کمیونزم سے دل برداشتہ اور نظام سرمایہ داری سے مایوس --- سبھی اس کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کے لئے کشاں کشاں کھنچے چلے آتے' لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج اس حصار میں داخل ہونے کو باعث سعادت سمجھتے اور یہ دور **ورائت الناس ید خلون فی دین اللہ افواجا** کی تفسیر بن جاتا۔

ہم نے وقت گنوا دیا' اب ایک سپریم پاور جسے کسی کا خوف نہیں دنیا میں اپنی اجارہ داری قائم کرنے پر تلی ہے' اپنی اقدار اپنا کلچر' اپنی سوچ کو ازہمہ اولیٰ کہہ کر نافذ کرنے پر تلی ہوئی ہے اور ہم سے دست نگر اس کے رحم و کرم پر ہیں' مصحفی یار کے در پر کتنے ہم سے نکھرے بیٹھے ہیں۔

مگر عجیب بات ہے کہ علامہ اقبالؒ کی نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ کے ابلیس کی طرح' آج کل کا شیطان کبیر بقول امام خمینی اس ملت کی بیداری سے خوفزدہ ہے' وہ اپنے سارے ساتھیوں کو اقبالؒ کے لفظوں میں کہہ رہا ہے' مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے اور وہ اس خطرے سے نمٹنے کے طریقے ڈھونڈ رہا ہے---

پس چہ باید کرد؟ اس کا علاج؟ علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے' Faith Unity Discipline کا جو نعرہ قائد اعظمؒ نے مسلمانان ہند کو دیا تھا اسے عالم اسلام پر پھیلا دیا جائے اور اپنی محدود سطح پر پھر سے ایک عزم لے کر میدان میں نکلیں کہ اپنے چھوٹے سے ملک کو جسے اللہ نے بے پناہ وسائل دے رکھے ہیں

قرآنی نظام کا گہوراہ بنا کر رہیں گے' اس کے لئے سب سے پہلے اپنے نوجوان طبقے کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں انہیں ان کی منزل کی نشان دہی کریں' منزل کے بغیر سفر آوارہ گردی ہے۔ قرآن کا پیغام گھر گھر پہنچائیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم مغرب کی ثقافتی یلغار کے ریلے کی زد میں ہیں اندرونی محاذ پر ہم جاگیرداری نظام میں گھرے ہوئے ہیں مگر ایک آخری کوشش کے طور پر ہمیں یہ پیغام ہر ایک تک پہنچانا ہو گا' قرآن خالص کا پیغام جو بقول اقبالؒ

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے

معاشی غلامی سے نجات کا راستہ عام آدمی سے لے کر ہر بڑے جاگیردار تک واضع کر دیں ان پر واضع کر دیں کہ ان کی نجات بھی اس خطہ زمین کے ساتھ وابستہ ہے ورنہ یہ جاگیریں بلاخر ہنود و یہود کے ہاتھوں معدوم ہو جائیں گی اور پھر

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

دوسری صورت میں اگر اپنے عوام کا ساتھ دے کر یہاں معاشی انصاف کی راہ صاف کرنے میں مدد دیں تو تاریخ میں ان کا نام زندہ و سلامت رہے گا۔

●●●

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے شمارے

خوبصورت اور پائیدار جلدوں میں محفوظ ماہنامہ طلوع اسلام کی سال
70-72-73-75-76-77-78-80-83-84-86-87-88-90
91-94-95-96کی جلدیں 150 روپے فی جلد علاوہ محصول ڈاک کے حساب سے فروخت کے لئے موجود ہیں۔ اپنی فرمائش سے مطلع فرمائیں۔

سرکولیشن مینجر

ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک طلوع اسلام کا تعارف

ہفت روزہ مہارت سے ماخوذ

مدیر ہفت روزہ مہارت جناب اشرف سہیل صاحب نے مدیر معاون ماریہ خان کی معیت میں چیرمین ادارہ طلوع اسلام جناب ایاز حسین انصاری کا انٹرویو ریکارڈ کیا جو جریدہ مذکور کی جلد نمبر 7 کے شمارہ نمبر 16 بابت 6 تا 13 مئی 1997ء میں شائع ہوا۔ قارئین طلوع اسلام ان حقائق سے پہلے ہی آگاہ ہیں تاہم اس میں بہت سی باتیں ایسی بھی سامنے آگئی ہیں جو نئے پڑھنے والوں کے لئے خبر کا درجہ رکھتی ہوں گی۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس انٹرویو کو طلوع اسلام کے صفحات میں محفوظ کر لیا جائے۔ مدیر مسئول

فکر پرویز قرآن و سنت کی عظمت کی دلیل ہے

قرآن اسلام کو دین بتاتا ہے جب کہ ہم نے اسے مذہب بنا دیا ہے

صحاح ستہ کے مرتبین نے بھی لاکھوں احادیث مسترد کر دیں تھیں

غلام احمد پرویزؒ علامہ اقبالؒ کی فکر کے امین اور مفسر تھے

طلوع اسلام کا قادیانیت سے کوئی فکری یا نظریاتی تعلق نہیں

علامہ پرویزؒ قائد اعظمؒ علامہ اقبالؒ اور تحریک پاکستان پر اتھارٹی تھے۔

جاگیردار اور سرمایہ دار ہی فکر پرویز سے خائف تھے

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین جناب ایاز حسین انصاری سے گفتگو

بیسویں صدی عیسوی اگرچہ دنیائے اسلام کے لئے مجموعی طور پر ابتلا اور مصائب کی صدی ثابت ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود اسلامی تعلیمات کے پھیلاؤ اور قرآنی فکر کی تشریح و تعبیر کے لئے بہت سے مفکرین دنیائے اسلام کے افق پر نمودار ہوئے جنہوں نے اپنی قوت ایمانی، طرز استدلال اور عظیم الشان جدو جہد کے ذریعے دین متین کے حقیقی پیغام کو بنی نوع انسان تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ایسے لوگوں میں اگر جنوبی ایشیاء کے حوالے سے دیکھا جائے تو علامہ محمد اقبالؒ اور علامہ غلام احمد پرویزؒ جیسے عظیم دانشور اور مفکر نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کے فکر و فلسفہ کی ایک دنیا معترف ہے تو پرویزؒ کے طرز استدلال کو ایک جہان مانتا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی قرآنی فکر کو سمجھنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے میں وقف کر دی تھی۔ ان کے فکر و فلسفہ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور ان کے طرز استدلال پر بھی بحث ممکن ہے لیکن قرآن کی تشریح و تعبیر کے لئے جو کام انہوں نے سرانجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان جیسی **نابغہ** روزگار ہستی صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے۔

علامہ غلام احمد پرویزؒ اپنے مشن کی تکمیل کی جدو جہد میں 1985 عیسوی میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے اب ان کا یہ مشن جناب ایاز حسین انصاری صاحب کی قیادت میں ان کے جانثار ساتھی آگے بڑھا رہے ہیں۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے علامہ غلام احمد پرویزؒ کی تصانیف ان کی مدد و معاون ہیں اور ان کا انتھک جذبہ، تحریک طلوع اسلام کو رواں دواں رکھنے کا باعث ہے۔

پچھلے دنوں "مہارت" نے جناب ایاز حسین انصاری چیرمین ادارہ طلوع اسلام کے ساتھ ایک خصوصی

نشست رکھی اور ان کے افکار و خیالات سے استفادہ کیا۔ ان کی گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ غیر سیاسی بنیادوں پر اسلام کے ماننے والوں کو دین متین کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ فرقہ واریت کو اپنے لئے سب سے بڑی رکاوٹ خیال کرتے ہیں اور اسے اہل اسلام کے لئے زہر ہلاہل قرار دیتے ہیں۔

ان کے خیال میں امت مسلمہ کو اس وقت تک زوال سے نجات نہیں مل سکتی جب تک وہ قرآنی تعلیمات کو اپنا نصب العین نہیں بنا لیتی۔ مہارت کے ساتھ ان کی جو گفتگو ہوئی اس کی تفصیل قارئین مہارت کے لئے شائع کی جا رہی ہے جس سے بانی تحریک کا تعارف بھی سامنے آ جائے گا۔

مہارت :۔ آپ اپنے مسلک کے متعلق کچھ بتائیں گے؟

جواب :۔ ملت اسلامیہ کے راسخ العقیدہ افراد کی طرح ہماری فکر کا سرچشمہ بھی اللہ کی کتاب عظیم قرآن مجید ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ خدا کی طرف سے عطا شدہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ابد تک ضابطہ حیات ہے لہٰذا اب نہ خدا کی طرف سے کسی کو وحی مل سکتی ہے' نہ کوئی نبی یا رسول آ سکتا ہے۔ قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے اور حضور رسالت مآبؐ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ قرآن کریم کا یہ دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکاں کی حدود سے ماورا ہیں۔ نبی اکرم کی سیرت مقدسہ' عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوہ حسنہ (بہترین نمونہ) ہے۔

مہارت :۔ مختصر الفاظ میں علامہ غلام احمد پرویزؒ کا تعارف کروا دیجئے۔

جواب :۔ علامہ موصوف کا پورا نام غلام احمد پرویزؒ اور والد کا نام چوہدری فضل دین تھا۔ متحدہ ہندوستان کے معروف شہر بٹالہ (ضلع گورداسپور) کے ایک سنی' حنفی گھرانے میں 9 جولائی 1903ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے دادا جان حکیم مولوی رحیم بخش اپنے وقت کے مانے ہوئے صوفی بزرگ تھے اور چشتیہ نظامیہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ پرویز صاحب نے قرآن اور مذہبی علوم کی ابتدائی تعلیم اپنے دادا جان سے حاصل کی۔ اس زمانے میں شہر بٹالہ کی جامعہ مسجد کے خطیب مولانا محمد ابراہیم اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا ظفر الحق کے علم و ذہانت کا بڑا شہرہ تھا اور یہ دونوں جید بزرگ تسلیم کئے جاتے تھے چنانچہ پرویز صاحب کو مزید تعلیم و تربیت کے لئے ان کی شاگردی میں دے دیا گیا۔ بٹالہ سے 1921ء میں میٹرک پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے 1934ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ 1927ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے مرکزی سیکرٹریٹ میں ملازمت اختیار کی اور بہت جلد ترقی پا کر ہوم ڈیپارٹمنٹ کے اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں اہم عہدہ پر فائز ہوئے۔

اس صدی کی دوسری دہائی میں مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ کے قریب ہوئے جنہوں نے اپنی بصیرت قرآنی سے شعور پرویزؒ کو دین اسلام اور فہم قرآن کی بے مثل و لازوال جہتوں سے آگاہ و آشنا کیا۔ یہ علامہ اقبالؒ ہی کا فیضان نظر تھا کہ پرویز صاحبؒ نہ صرف قرآن کے سانچے میں ڈھلتے گئے بلکہ تحریک پاکستان کے پیکر میں ایک سرگرم و فعال روح بن کر اترے۔

علامہ اقبالؒ ہی کے ایما پر پرویز صاحبؒ حافظ محمد اسلم جیراجپوری سے ملے۔ حافظ صاحب برصغیر پاک و ہند کے زبردست عالم اور مسلم سکالر تھے۔ حافظ صاحب کی علمی شخصیت، مرتبت اور علمیت کا اندازہ اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ ان کے اس حد تک معترف تھے کہ جناب پرویز کو عربی علوم سیکھنے کے لئے ان کی خدمت میں بھیجا علامہ اسلم جیراجپوری کی رفاقت و محبت نے پرویز صاحبؒ کو بہت کچھ عطا کیا اور پرویز صاحبؒ خود ایک عالم دین اور استاد کی منزل و مقام تک پہنچے۔

تحریک پاکستان کے دوران پرویز صاحبؒ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے دینی مشیر رہے اور قائد اعظمؒ کو خالص قرآنی اور دینی اقدار اور اصولوں سے آگاہ و آشنا کرتے رہے۔ قائد اعظمؒ سے بھی ان کا تعارف علامہ اقبالؒ ہی کے ذریعے ہوا تھا۔

1938ء میں علامہ اقبالؒ ہی کے مشورے اور قائد اعظمؒ محمد علی جناح کی ہدایت پر ماہنامہ طلوع اسلام جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔ تحریک پاکستان کی چومکھی لڑائی قائد اعظمؒ تن تنہا لڑ رہے تھے ایک دن انہوں نے علامہ پرویز کو بلایا اور کہنے لگے "میرے سامنے اس وقت تین بڑے محاذ ہیں اور جنگ آزادی ان تینوں محاذوں پر لڑنی ہے۔ ایک انگریز یعنی برٹش گورنمنٹ ہے، دوسرا ہندو اور اس کے ہمنوا ہیں اور تیسرا محاذ مذہبی پیشوائیت کا ہے۔ انگریز اور ہندو سے میں خود نمٹ لوں گا۔ مذہبی پیشوائیت کا محاذ تم سنبھالو"۔ یہیں سے تحریک طلوع اسلام کا آغاز ہوا۔ اس کے سامنے چار مقاصد تھے۔ اول، دین کو ہزار سالہ روایتوں کی دبیز تہوں سے باہر نکال کر قرآنی تعلیمات کو سامنے لایا جائے۔ دوم، قرآنی نظام کے نفاذ کے لئے ماحول ساز گار بنایا جائے۔ سوم، مذہبی پیشوائیت کی طرف سے جو بے بنیاد اور گمراہ کن پروپیگنڈہ، پاکستان اور بانی پاکستان کے خلاف کیا جا رہا ہے اس کا موثر اور مدلل جواب دیا جائے۔ چہارم، مسلمانان ہند کو یہ بتایا جائے کہ پاکستان کا قیام اسلام کا بنیادی تقاضا ہے۔

یہ کام آسان نہ تھا، قوم پرست علماء ہندوستان کو اپنی "مادر وطن" سمجھتے تھے انہیں الگ مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ دوسری طرف علماء کا وہ گروہ تھا جو "سجدے کی اجازت" اور مخصوص قوانین پر اجارہ داری کے عوض، قرآنی اقدار کی حکمرانی چھوڑ کر "رام راج" قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ قائد اعظمؒ کی بے لوث قیادت کے صدقے پاکستان معرض وجود میں آ گیا اور وہ تمام مذہبی فرقے جنہیں اس محاذ پر شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا پرویزؒ کی مخالفت میں متحد ہو گئے۔ ان پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے لیکن علامہ پرویزؒ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ انفرادی اور گھریلو مسائل سے لے کر معاشی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی، تعلیمی اور دینی معاملات کے میدان میں شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر انہوں نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن مجید پر غور و فکر میں گزارا اور اس کا ماحصل بہت ہی موثر اور شگفتہ انداز میں ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کیا۔ ان کی زندگی کا واحد مشن یہ تھا کہ مسلمان قرآن حکیم کو براہ راست

سمجھنے لگ جائیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک آپ اپنے ذہن کو پہلے سے قائم شدہ نظریات و معتقدات اور تصورات سے پاک نہیں کریں گے قرآن کریم کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکے گا اور جو شخص پہلے سے کوئی خیال قائم کر کے' قرآن کی طرف آتا ہے اسے اپنے خیال کی سند اور تائید تو شاید حاصل ہو جائے لیکن اس کی رسائی صداقت تک نہیں ہو سکتی۔ علامہ پرویزؒ کی عمر بھر کی عرق ریزی کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سر سید نے قوم کو جینے کا طریقہ سکھایا۔ حالی نے ملت کے عروج و زوال کی داستان رقم کی۔ اقبال نے زندگی کے راز ہائے سربستہ کی عقدہ کشائی کی اور پرویز نے نہ صرف ان راز ہائے سربستہ کی قرآنی تشریحات پیش کیں بلکہ خود قرآن کو ایک قابل عمل دستور حیات کے طور پر پیش کیا۔ یہ اسی قرآن فہمی کا اعجاز تھا کہ آپ نے تحریک حصول پاکستان میں بطور دینی فریضہ حصہ لیا اور اس تحریک میں قائد اعظم کے معاون بن کر قوم پرست علماء کی مخالفانہ سازشوں کا تار پود بکھیرتے رہے۔ وہ قائد اعظمؒ کے ذاتی مشیر تھے اور انہیں اجازت لئے بغیر قائد اعظمؒ سے ملاقات کا اذن عام تھا۔

تحریک پاکستان میں علامہ پرویزؒ کی خدمات کے اعتراف میں 14 اگست 1989ء کو حکومت پنجاب (پاکستان) نے انہیں گولڈ میڈل کا مستحق جانا۔ اپنی علمی' تحقیقی اور تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ وہ کانسٹی ٹیوشن آف پاکستان 1956ء کے تحت ممبر اسلامک لاکمیشن بھی ہوئے۔ صدر قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی لاہور بھی رہے۔ انہوں نے فکر قرآنی کا پچاس سالہ جشن 1978ء میں منایا۔ آپ قائد اعظمؒ' تحریک پاکستان اور علامہ اقبالؒ پر ایک اتھارٹی تسلیم کئے جاتے ہیں۔ 1938ء میں انہوں نے درس قرآن کا آغاز کیا جو عمر بھر جاری رہا۔ حکومت پاکستان کے تیار کردہ لائف سکیچ کے مطابق بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے جو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بھی تھے بہت چاہا کہ علامہ غلامہ احمد پرویز چاہیں تو اپنی مرضی کی وزارت قبول کر لیں یا طلوع اسلام کے لئے سرکاری گرانٹ لے لیں لیکن علامہ موصوف نے بعد شکریہ کسی بھی قسم کی امداد' گرانٹ اور وزارت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ موصوف فکر قرآنی کی وسیع بنیادوں پر نشر و اشاعت اور قرآنی نہج پر نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے خود کو وقف کر چکے تھے اور ہمہ تن اسی میں منہمک رہنے لگے تھے۔

24 فروری 1985ء کو آپ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ آپ نے کوئی اولاد پیچھے نہیں چھوڑی لیکن ان کا مشن بذات خود ایک ایسی یادگار ہے جو ان کے نام اور کام کو قیامت تک تابندہ و پائندہ رکھے گا اور اس مشن کی تکمیل میں جو ادارے شب و روز مصروف عمل ہیں ان میں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی طلوع اسلام کی بزموں کے علاوہ' ماہنامہ طلوع اسلام' ادارہ طلوع اسلام' طلوع اسلام ٹرسٹ' قرآنک ریسرچ سنٹر' پرویز میموریل سکالرز لائبریری' ان گنت ویڈیو اور آڈیو **ٹیپس** پر قرآنی دروس' سینکڑوں کی تعداد میں پمفلٹس اور ان کی تصنیف کردہ کتب کا بہت بڑا ذخیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

علامہ موصوف عمر بھر کفر کے فتووں کی زد میں رہے لیکن ان فتوؤں کے علی الرغم یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے کہ

" میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ از خود قرآن کریم پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کریں کہ میری فکر صحیح ہے یا نہیں۔ اسے اچھی طرح سن رکھئے کہ جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآن کریم کی بجائے کسی انسان کو سند مان لیا۔ آپ نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ فرقہ سازی قرآن کی رو سے شرک ہے۔ "

زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایلمان مسجد اس دیدہ ور کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا کافر قرار دیتے رہے اور یہ دیوانہ زندگی بھر قرآن کو سینے سے لگائے پھرتا رہا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

مہارت :۔ علامہ اقبالؒ کے فکر کی وراثت کے اور بھی بہت سے دعوے دار ہیں۔ آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب :۔ اس بارے میں' میں صرف یہی کہوں گا کہ اقبالؒ کی شخصیت اتنی جامع ہے کہ ہر کوئی ان کے ساتھ اپنا تعلق باعث فخر خیال کرتا ہے تاہم اقبال نے اپنی زندگی میں ایک سے زیادہ مرتبہ علامہ غلام احمد پرویزؒ کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار کیا ہے۔ ویسے بھی مستند حوالوں سے یہ بات طے ہے کہ اقبالؒ کی فکر کو آگے بڑھانے میں علامہ پرویزؒ نے قابل قدر کردار ادا کیا ہے۔ صرف اقبال ہی نہیں حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ بھی علامہ پرویزؒ کو اپنا قابل اعتبار ساتھی اور مشیر خیال کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ اور علامہ پرویزؒ کے درمیان فکری مماثلت کے ثبوت کے طور پر آپ کے لئے پاکستان ٹیلی ویژن لاہور مرکز سے نشر ہونے والے سات نومبر 1984ء کے انٹرویو کا مطالعہ کافی ہو گا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے اقبالؒ اور فکر اقبال سے اپنی وابستگی' قائد اعظمؒ اور تحریک پاکستان سے اپنے تعلق کا مفصل اظہار کیا ہے۔ اس انٹرویو کو ادارہ طلوع اسلام نے شائع بھی کیا ہے جو اقبالؒ قائد اعظمؒ اور علامہ پرویزؒ کے درمیان تعلق کا تاریخی ثبوت ہے۔

مہارت :۔ آپ حضرات کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ قادیانیت کے زیادہ قریب ہیں۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ کیا یہ الزام ہے یا حقیقت؟

جواب :۔ جہاں تک قادیانیت یا احمدیت کا تعلق ہے تو ہمارے یہاں جس کسی کی مخالفت مقصود ہو اسے احمدی یا قادیانی قرار دے کر بدنام کرنا شروع کر دیا جاتا ہے۔ قادیانیت ہمارے نزدیک اسلام کے خلاف ایک سازش ہے۔ قادیانیوں کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک نئے مذہب کا آغاز کیا جس کی وجہ سے قادیانی مسلمانوں سے الگ امت ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ ہم فکری طور پر

قادیانیوں کے قریب ہیں سفید جھوٹ ہے۔ اس سلسلے میں' میں 1926ء کے اس فیصلے کا بھی ذکر کروں گا جس کے تحت بہاولپور کے ڈسٹرکٹ جج محمد اکبر صاحب نے علامہ غلام احمد پرویزؒ کے مضمون کی روشنی میں قادیانی شوہر کو غیر مسلم قرار دے کر ایک مسلمان عورت کو اس سے نجات دلائی تھی۔ اس فیصلے کا تفصیلی ذکر ہمارے پمفلٹ " مرزائیت اور طلوع اسلام " اور علامہ پرویزؒ کی کتاب " ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں موجود ہے۔

مہارت :۔ اسلام کے معنی اور مفہوم کو آپ کس پس منظر میں لیتے ہیں؟

جواب :۔ قرآن کے مطابق اسلام دین ہے' مذہب نہیں۔ مذہب کا لفظ قرآن میں ہے ہی نہیں۔ مذہب میں زندگی کا مقصد ایک فرد کی اپنی نجات ہوتا ہے۔ اس کے لئے وہ خدا سے اپنا پرائیویٹ تعلق قائم کرتا ہے۔ دین کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ انسان کو دنیا میں رہنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کا ہر کام جو وحی کی روشنی میں سرانجام دیا جائے دین بن جاتا ہے۔ دین نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں مستقل اقدار کے مطابق نوع انسان کی بہبود کے لئے صرف کرنے کا۔ ظاہر ہے اس کے لئے اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے لہٰذا دین نام ہے اجتماعی نظام حیات کا جو وحی کی مقرر کردہ حدود کے اندر **متشکل** ہے۔ تفصیلی وضاحت کے لئے ہمارے ہاں سے اسلامک آئیڈیالوجی' " دنیا نظام محمدی کے لئے بیتاب ہے " اور " اسلام ہی کیوں سچا دین ہے " قسم کے پمفلٹس **مفت طلب** دستیاب ہیں۔

مہارت :۔ اس کے باوجود علمائے اسلام کی طرف سے مخالفت کی جاتی ہے اس بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب :۔ علامہ پرویزؒ بقول پروفیسر حسنین کاظمی ہمارے دورے کی ان دینی اور علمی شخصیتوں میں سے ہیں جن کے افکار سے اتفاق کرنے والے بھی بہت ہیں اور مخالفت کرنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ ان کے متعلق متضاد باتیں کہی اور سنی گئیں۔ اس کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں جن میں سے نمایاں یہ سبب ہے کہ مسلمان کتنے ہی فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہم جس فرقے میں پیدا ہوتے ہیں اس کے افکار کو مانتے ہیں اور دوسروں کو برا جانتے ہیں۔ اب جو شخص فرقہ سازی کا سرے سے مخالف ہو اور اپنے آپ کو صرف مسلمان کہنا کافی سمجھتا ہو اس کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کو کسی فرقے کی ہمدردی حاصل نہیں ہوتی۔ مختلف فرقے اور جماعتیں جو ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہیں وہ سب پرویز صاحبؒ کی مخالفت کے مسئلہ پر متفق ہو جاتی ہیں کیونکہ طلوع اسلام کی دعوت کا اثر ان کے مفادات پر پڑتا ہے۔ ان کے علاوہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار جو نظام ربوبیت اور اسلام کے انقلابی معاشی پروگرام سے حد درجہ خائف ہیں وہ بھی پرویزؒ کے مخالفوں میں ہیں۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو پرویز صاحبؒ کے بہت سے بنیادی افکار و تصورات بزرگان اسلام کے یہاں بھی ملتے ہیں مگر پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف پرویزؒ کی

مخالفت کیوں ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو صداقتیں بکھری ہوئی تھیں انہیں پرویزؒ نے یکجا کیا اور عہد حاضر کی علمی زبان میں یوں پیش کیا کہ نیا شعور رکھنے والے افراد متوجہ ہو گئے۔ اس کے علاوہ قرآن کی بہت سے صداقتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ عہد حاضر کی علمی ترقی کے ساتھ نظروں کے سامنے آئی ہیں انہیں بھی پرویزؒ ہی نے پیش کیا۔ جناب پرویزؒ کی مخالفت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے روایات کو پرکھنے کا ایک حتمی اور یقینی معیار پیش کر دیا کہ جو حدیث، قرآن کے احکام و تعلیمات کے خلاف ہو غلط ہے۔ یوں تمام موشگافیوں کے دروازے بند ہو گئے حالانکہ یہ معیار کوئی نئی بات یا اختراع پردازی کی بات نہیں بلکہ اس کا سلسلہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سماع موت کی حدیث قبول کرنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ یہ خلاف قرآن ہے باوجود یہ کہ یہ حدیث ایک صحابی کی بیان کردہ تھی اور پھر پرویز صاحبؒ کی مخالفت کی بڑی وجہ قوم پرست علماء کا جذبہ انتقام تھا جو ان کی مخالفت کے باوجود پاکستان بن جانے پر نظریہ پاکستان کے موید علامہ پرویزؒ کے خلاف ابھرا۔

مہارت :۔ آپ کے خیال میں فرقہ واریت کی وجہ کیا ہے اور اس کی طرف مسلمانوں کا رجحان کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ فرقہ واریت کی وجہ کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ جب دین کو مذہب بنا دیا تو امت میں تفرقہ پیدا ہوا اور پھر یہی تفرقہ بازی امت میں فرقہ واریت کی وجہ بنی اس کے علاوہ جہالت بھی فرقہ واریت کی ایک وجہ ہے۔ جب امت کی رہنمائی جاہل لوگوں کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے فرقہ واریت کو بے بنیاد احادیث کی آڑ میں اور بھی آگے بڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ پرویزؒ نے فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے صرف اور صرف قرآن سے رجوع کرنے کا درس دیا ہے۔ اگر ہم اپنے اختلافات کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصبات سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو ہمیں مذہب کا تصور ختم کر کے دین کے لا محدود دائرے میں آنا ہو گا اور اپنی رہنمائی کے لئے صرف اور صرف قرآن سے رجوع کرنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں قرآن کی یہ آیت کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مسلمانوں کو فرقہ واریت سے بچنے کی کھلی تاکید کرتی ہے۔ فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے ادارہ طلوع اسلام نے ایک مفصل کتابچہ بھی شائع کیا ہے اس کے مطالعہ سے فرقہ واریت کے رجحان کی حوصلہ شکنی میں مدد مل سکتی ہے۔

مہارت :۔ آپ کے خیال میں حقیقی مسلمان کسے کہا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ لفظ "مسلمان" استعمال کے لحاظ سے دنیا کے ہر گوشے میں بیک وقت کروڑوں زبانوں پر ہوتا ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے اس کی کیفیت یہ ہے کہ کوئی دو ذہن بھی اس کی متفق علیہ (Definition) متعین نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اس شکل میں نہیں آیا۔ اس کی جگہ اس میں مسلم کا لفظ آیا ہے جس کی جمع مسلمون اور مسلمین آتی ہے۔ خصوصی لحاظ سے مسلم سے مراد ہو گی قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والا یعنی الااسلام کا پیروکار لیکن اس

کا یہ مفہوم دین کی رو سے ہو گا جس میں اسلام کو بطور نظام اختیار کیا جائے گا۔
اس پر ہمارا موقف " تحریک طلوع اسلام کا مقصد و مسلک " نامی کتابچے میں فصاحت سے درج ہے جس کی لاکھوں کاپیاں لوگوں تک پہنچ چکی ہیں اور عندالطلب ہر ایک کے لئے حاضر ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ اسلام کو مذہب کی بجائے دین کے حوالے سے متعارف کروایا جائے اور ایک عالمگیر اسلامی معاشرے کی تشکیل کی جائے۔

مہارت :۔ علامہ پرویزؒ کے طرز فکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو ماننے والے احادیث مبارکہ کے منکر ہیں کیا یہ بھی محض الزام ہے یا پھر اس میں کوئی حقیقت موجود ہے؟

جواب :۔ جہاں تک احادیث سے انکار کا تعلق ہے تو یہ بھی ہم پر من گھڑت الزام ہے۔ ہم اطاعت رسولؐ پر یقین رکھتے ہیں اس لئے احادیث سے انکار کر ہی نہیں سکتے البتہ ایسی احادیث جو قرآنی تعلیمات سے متصادم ہوں یا جن سے رسول اکرمؐ کی ذات پر کسی قسم کا حرف آئے ہم ان احادیث کو احادیث تسلیم ہی نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں ہم صرف ان احادیث کو مانتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں۔ جہاں تک احادیث کو مسترد کرنے کی بات ہے تو احادیث مبارکہ کی چھ معتبر کتابیں ہیں جو دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ایران میں مرتب کی گئیں۔ ان کتابوں کے **مرتبین** نے اپنی کتابوں کے لئے احادیث کا انتخاب کرتے وقت لاکھوں احادیث کو محض شک کی بنا پر مسترد کر دیا مثلاً" احادیث کی سب سے معتبر کتاب " بخاری شریف " ہے جس کو تیسری صدی ہجری میں مرتب کیا گیا۔ اسے مرتب کرتے وقت امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث اکٹھی کیں جن میں سے صرف سات ہزار تین سو دو کو کتاب میں شامل کیا اور باقی کو رد کر دیا۔ اسی طرح امام مسلم کی مرتب کردہ کتاب کے لئے امام صاحب نے تین لاکھ کے قریب احادیث اکٹھی کیں جن میں سے چار ہزار تین سو اڑتالیس کو معتبر جانا گیا اور باقی کو مسترد کر دیا۔ امام ابو عیسیٰ نے اپنی کتاب کے لئے تین لاکھ احادیث اکٹھی کیں جن میں سے تین ہزار پندرہ کو مستند مانا اور باقی کو مسترد کر دیا۔ ابو داؤد نے پانچ لاکھ احادیث اکٹھی کیں جن میں سے صرف پانچ ہزار چار سو اسی احادیث کو اپنی کتاب میں شامل کیا۔ ان کے علاوہ ابن ماجہ نے چار لاکھ احادیث میں سے صرف چار ہزار کو اپنی کتاب میں شامل کیا اور امام نسائی نے دو لاکھ احادیث میں سے چار ہزار تین سو اکیس کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔

ہمارا اختلاف کسی حدیث کے ساتھ نہیں بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک تو احادیث کو زمانہ نبوت سے کم و بیش ڈھائی سو سال بعد اکٹھا کرنا شروع کیا گیا اور دوسرا جن لوگوں نے ان کو اکٹھا کیا ان کا تعلق ایک ہی خطے یعنی ایران سے ہے لہٰذا ضروری نہیں کہ ان کی مرتب کردہ احادیث کو مزید تحقیق سے ماورا قرار دیدیا جائے۔ ویسے ان حضرات نے بھی تو لاکھوں احادیث کو مسترد کیا ہے جس پر کبھی کسی نے کوئی اعتراض نہیں لیکن جب ہم کہتے ہیں حدیث وہی شک و شبہ سے بالا ہو سکتی ہے جو قرآن کے مطابق ہو یا پھر جس سے رسول اکرمؐ اور اصحاب رسولؓ پر کوئی حرف نہ آئے تو ہم

پر منکر حدیث کا الزام لگ جاتا ہے جو سرا سر بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ بہت ہی واضح الفاظ ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ اسلاف کی کوئی بات نہ مانو۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اسلاف کی کتابوں میں جو کچھ ہے اسے قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ لو جو بات اس کے مطابق ہو اسے صحیح مانو جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہمارے بزرگوں نے قرآن نہیں سمجھا تھا ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ قرآن شریف ہر ایک کو حکم دیتا ہے کہ وہ اسے غور و فکر سے سمجھ سوچ کر پڑھو اس لئے ہمیں قرآن شریف پر خود غور کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مہارت :۔ اجماع امت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب :۔ اس بارے میں بھی ہمارا یہی نقطہ نظر ہے کہ اجماع امت کے تحت ہونے والا صرف وہی فیصلہ قابل قبول ہے جو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہم کسی فیصلے کو قبول نہیں کرتے؟

مہارت :۔ قتل مرتد کے بارے میں آپ کی رائے یا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب :۔ مرتد کے حوالے سے ہماری سوچ یہی ہے کہ کسی بھی نظریے یا عقیدہ کے لئے کسی کو پابند نہیں کیا جا سکتا البتہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے عقائد سے انحراف کرتا ہے اور پھر اپنے اعمال سے دوسرے مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے قرآنی احکامات کے مطابق اسلامی ریاست کی طرف سے سزا ملنی چاہیے۔

مہارت :۔ قارئین مہارت کے لئے آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب :۔ مہارت کے قارئین کے لئے میرا یہی پیغام ہے کہ وہ فرقہ واریت کا راستہ ترک کریں اسلام کو مذہب کی بجائے دین جانیں۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر غیر متزلزل یقین اور رسول کریمؐ کی حیات طیبہ کو اپنے سامنے بطور ماڈل کے رکھیں۔

● ● ●

THANKS

This is to express my gratitude to all those who have been inquiring about my health. I am taking medicines and am, by the grace of Allah, fighting fit. Specifically I am grateful to my well-wishers in Newziland, Denmark and Scotland for providing test instruments, medicines and supplements. May Allah reward them all?

Muhammad Latif Chaudhery
Nazim & Editor
Tolu-e-Islam

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد

تحریک کے السابقون الاولین کی پے در پے اموات سے جو قیامت اس سال گذری اس کی جگر سوزی سے آنسو نہ تھمے تھے کہ 30 جون 1997ء کو ٹھیک سوا سات بجے محترم محمد عمر دراز بھی انتقال کر گئے۔ عارضہ بظاہر درد دل تھا لیکن یہ شاید نتیجہ تھا بیتابی تمنا اور صبر طلبی عشق کی اس کشمکش کا جس میں مبتلا وہ اپنے حصے کا کام جلد از جلد ختم کرنے کی دھن میں عرصہ دراز سے گھر کے ایک کونے میں معتکف ہو چکے تھے۔ نہ کھانے کا ہوش نہ آرام کا خیال۔ مسلسل **رتجگوں** سے اعصابی تھکاوٹ غالب آئی تو دل درد سے بھر آیا اور وہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے' یکم جولائی کو سمن آباد کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ کراچی' حیدر آباد' ملتان' بوریوالہ فیصل آباد سمیت لاہور سے احباب کی بہت بڑی تعداد نے جنازے میں شرکت کی۔ لاہور شہر میں اتنا بڑا جنازہ ان کی شخصیت کی عظمت کا آئینہ دار تھا۔ دفتر میں بھی دعائے خیر کہنے والوں کا ہجوم رہا۔ دوستوں نے خطوں' فیکسوں اور پیغامات کے ذریعے اپنے خیالات کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ چند خطوط کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

☆ محترم عمر دراز کی وفات کی جگر سوز خبر مجھے کراچی میں ملی۔ لاہور پہنچا تو ایک عالم کو سوگوار پایا۔ آنا جانا ایک فطری عمل ہے لیکن بعض شخصیتیں یقیناً" ایسی ہوتی ہیں جو اپنے پیچھے ایسا خلا چھوڑ جاتی ہیں جسے پورا کرنا دشوار ہوتا ہے۔ علم و ادب اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام کے ساتھ مرحوم عمر دراز کی ایک خوبی جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا یہ تھی کہ انہیں جب بھی بلایا' جس کام کے لئے بلایا جواب ملا۔ جی حاضر! اور وہ کام جسے عمر دراز نے اپنے ذمہ لے لیا کبھی تشنہ کام نہ رہا۔

ناظم صاحب کی بیماری کے دوران بھی وہی کام آتے۔ گھر ہو یا دفتر' پریس ہو یا ادارہ ان کی تمام توانائیاں تحریک کے لئے وقف رہیں۔ کویت سے آئے تو لاکھوں میں کھیل رہے تھے۔ آٹھ سال بعد دنیا سے رخصت ہوئے تو تین لاکھ کے مقروض بتائے گئے۔ ان کی شائع کردہ کتب' ان کے مضامین' ان کے مقالے' ان کے تراجم' اور ان کی تقاریر' تحریک کے ساتھ ان کی والہانہ وابستگی کے منہ بولتے ثبوت ہیں۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سبھی بزموں نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی وفات پر تعزیت کی قرار دادیں منظور کی ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ قرآن کے اس عاشق کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ بزمیں مجھے بھی اپنے غم میں برابر کا شریک سمجھیں۔ ایاز حسین انصاری

☆ محترم عمر دراز کی وفات سے تحریک ایک ایسے رکن سے محروم ہو گئی ہے جو تحریک میں ایک ستون کی حیثیت رکھتا تھا۔ عربی زبان پر ان کا عبور' قرآن حکیم کے ساتھ ان کا لگاؤ' تحریک کے فروغ کے لئے ان کی Dedication اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے ان کی انتھک محنت' کسی تبصرے کی محتاج نہیں۔
بزم خواتین لاہور

☆ تحریک ایک اہم مفکر اور ذمہ دار شخصیت سے محروم ہو گئی۔

وہاں اب تک سنا ہے سونے والے چونک اٹھتے ہیں
صدا دیتے ہوئے جن راستوں سے تم گزر آئے۔

بزم نوانکلی

☆ ان کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی وفات سے تحریک میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

بزم ملتان

☆ مرحوم ان تمام صلاحیتوں کے مالک تھے جو قرآنی فکر کے فروغ کے لئے ضروری ہیں۔ وہ نہ صرف اچھے محقق، قلمکار اور مبلغ تھے بلکہ مخلص دوست اور مشفق بھائی بھی تھے۔

بزم بوریوالہ

☆ علم و فضل میں اعلیٰ مقام رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک دبنگ شخصیت اور گرجدار آواز کے مالک تھے۔ وہ دلیل سے گفتگو کرتے اور اپنی بات منوا کر دم لیتے۔ موضوع کی مناسبت سے قرآنی آیات پیش کرنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

بزم راولپنڈی

☆ شمع قرآنی جلائے رکھنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

بزم کمیر

☆ مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ عمر بھر شمع قرآنی کو روشن رکھنے میں مصروف رہے اور اسی کوشش میں جان دی۔

بزم کورنگی

☆ مرحوم کا تدبر فی القرآن اور اپنے مشن سے عشق کی حد تک لگاؤ منفرد اور بے مثال رہا ہے۔ کتب کی تزئین و طباعت اور تراجم کا سلسلہ اسی عاشق قرآن کے دم سے تھا۔

دل نہیں تجھ کو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کار فرما جل گیا

بزم لندن

☆ تحریک کے لئے مرحوم کا ایثار اور رفقاء کے لئے ان کی محبت اور شفقت بھولے نہ بھلائی جائے گی۔

بزم چوٹی زیریں

☆ اپنی ذات میں ایک تحریک تھے اور اپنی نظیر آپ تھے۔ بہت لوڑ تھی تحریک کو ابھی ان کی

بزم جہلم

☆ مرحوم تقریباً 25 سال کویت میں رہے سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کویت کے پاکستان سکول کی گورننگ باڈی کے رکن تھے۔ قرآن کریم سے وہ شروع ہی سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ زندگی کے آخری لمحے تک وہ اسی کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ طلوع اسلام سے متعلق سبھی شعبوں میں ان کی خدمات مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔

بزم کویت

☆ وہ اپنے تصورات، احساسات اور کارہائے نمایاں کی بدولت فی الواقع مرد مومن تھے۔ انہوں نے

تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا اور قرآن کے ایک فاضل طالبعلم کے طور پر متعارف ہوئے۔ مرحوم بیک وقت اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ بانی تحریک کی وفات کے بعد جب تحریک انتہائی مشکل حالات سے دوچار تھی مرحوم کی فراست مومنانہ کی بدولت ہم سب نہ صرف ان بحرانوں پر قابو پانے کامیاب ہوئے بلکہ ان کی مساعی جمیلہ کے حسن توازن کی وجہ سے تحریک نئے عزم سے نئی منزلوں کی طرف جادو پیما ہوئی۔ ان کی شاہکار نگارشات ان کے ایمان، ایقان اور قول و فعل کی ہم آہنگی کے دستاویزی ثبوت کے طور پر تحریک کے پاس محفوظ رہیں گی۔ بزم کراچی صدر

☆ بعض اختلافات، کے باوجود، مرحوم میرے نزدیک، جری، بے باک، نڈر مخلص اور ولہ انگیز صفات کے مالک تھے۔ قرآن کریم کے فہم و ادراک میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا اور تحریک میں ان کا مقام ایک ستون کا سا تھا۔ بشر احمد عابد

☆ آہ عمر دراز آپ کہاں چلے گئے؟ باری میری تھی چلے آپ گئے۔ آپ کے والدین نے آپ کا نام عمر دراز رکھا تھا آپ نے اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ زیرک، متحرک، با عمل اور قرآن کے شیدائی روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ استاد مکرم نے آپ کو آتے دیکھ کر ضرور بانہوں میں لے لیا ہو گا۔

رحلت سے چند روز قبل ایک مضمون لکھ رہا تھا۔ ایک آیت کا حوالہ ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ عمر دراز مرحوم کو فون کیا۔ کہنے لگے ابھی لیجئے۔ یہ تھا ان کا مطالعہ۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو تھی۔

ڈاکٹر سید عبدالودود

☆ طلوع اسلام کا انتھک کارکن، انتظامی امور کا صحیح ادراک رکھنے والا منتظم، مشکل اوقات میں سینہ سپر رہنے والا کمانڈر، قرآن حکیم کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف، کنوشنوں کی جان آج ہم سے جدا ہو گیا۔ بزم کوئٹہ

☆ محترم عمر دراز کویت سے واپس آئے تو اس وقت علامہ صاحب کی اکثر کتب تشنہ طباعت تھیں اور ٹرسٹ کے مالی وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ انہوں نے پریس لگا کر کتب کی طباعت و اشاعت کو ممکن بنایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے رقم کا کبھی مطالبہ نہ کیا، جب ٹرسٹ کے حالات اجازت دیتے، بل ادا کر دیا جاتا۔ انہوں نے بڑی کوششوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کو انکم ٹیکس سے چھوٹ دلوائی۔ اس سلسلے میں انہیں کئی بار اسلام آباد آنا جانا پڑا۔ پرویز میموریل ریسرچ سکالرز لائبریری کے قیام و انتظام کے لئے انہوں نے بڑی جدوجہد کی۔ اپنی بے شمار کتب لائبریری کو عطیہ کیں۔ جہاں کہیں کوئی نایاب کتاب نظر آئی فوٹو کاپی کروا کے اسے لائبریری کی زینت بنا دیا۔ گذشتہ چند سالوں سے وہ شب و روز قرآنی لٹریچر کو انگریزی میں منتقل کرنے میں مصروف تھے۔ انسان نے کیا سوچا؟، شاہکار رسالت، کو وہ مکمل کر چکے تھے اور آج کل ابلیس و آدم کے ترجمہ میں مصروف تھے۔ علاوہ ازیں مفہوم القرآن کتاب التقدیر، قرآنی قوانین، طاہرہ کے نام خطوط سلیم کے نام خطوط اور اسباب زوال امت پر کئے گئے کام پر نظر ثانی فرما رہے تھے۔ علامہ پرویزؒ کی کتاب " مجلس اقبالؒ " کا پیش لفظ انہوں نے اس خوبصورتی سے لکھا کہ یہ ایک شاہکار بن گیا۔

آج کل وہ مفکر قرآن کے آڈیوز کو ویڈیوز میں اپنی آواز کے ساتھ منتقل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔
طلوع اسلام ٹرسٹ

☆ ٹرسٹ تو کیا ادارہ بھی یتیم ہو گیا۔ لاکھوں افراد نے تجھے عمر دراز کہہ کر پکارا۔ تمہارے نام میں ہی یک گونہ دعا شامل تھی۔ لیکن اس کے باوجود تمہاری عمر دراز نہ ہو سکی۔ تم نے علامہ پرویز مرحوم کا کام آگے بڑھانے کا ذمہ لیا تھا اور اس کام میں مگن تھے کہ چل بسے۔ اللہ اگر ہر شخص سے کوئی کام لینے کے لئے دنیا میں اسے بھیجتا ہے تو عمر دراز بھائی! تمہارے ذمہ تو ابھی بہت سے کام باقی تھے۔ ابھی ہم پہلے زخموں پر بھی مرہم نہ لگا پائے تھے کہ تو نے بھی جگر پاش پاش کر دیا۔

عمر دراز کے ساتھ مرحوم کا لاحقہ لگاتے ہوئے قلم ساتھ نہیں دے رہا۔ کیسی شخصیت تھا وہ۔ سنئے! ایسی شخصیت جس نے اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کی۔ جہاں بھی اصولی اختلاف آیا عمر دراز ڈٹ گیا۔ اپنی بات منوائی اور پھر آگے بڑھا۔ جو شخص اصولوں کے لئے اولاد کو قربان کر سکتا ہے اس کے سامنے کسی اور کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ مزاج کا سخت لیکن دل کا کھرا۔ مجھے آج بھی یہ احساس کھائے چلا جا رہا ہے کہ اب میں کس کے ساتھ کسی نکتے پر بحث کروں گا۔ سب کو تسلی بخش جواب دینے والی شخصیت عمر دراز ہی کی تھی۔ مجلس ہو یا اجلاس، کنونشن ہو یا کوئی قرآنی تقریب ہمہ وقت چاک و چوبند، جونہی شک پڑتا کہ کسی جگہ کوئی سازش ہو رہی ہے، بھرے سٹیج کو خیرباد کہہ کر موقعہ واردات پر پہنچ جاتے۔ ایک دبنگ شخصیت ایسی ہی ہو سکتی ہے۔ تحریک طلوع اسلام کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس پر عمر دراز مرحوم پوری طرح حاوی نہ تھا۔ یہ کمال بھی اسی شخص کو حاصل تھا۔ سب کو تسلی بخش جواب دیتے اور بھرپور دیتے۔ میں نے کبھی ان کو تحریری نوٹ لیتے نہیں دیکھا۔ دس افراد اگر تقریر کرتے اور بیس نکتے اٹھاتے تو وہ اپنی باری آنے پر تمام نکتوں کا زبانی جواب دیتے۔ اٹھتے، بیٹھتے انہیں یہی غم کھائے چلا جا رہا تھا کہ پرویزؒ صاحب کی تحریروں کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کیسے کیا جائے۔ کسی سے نہ دبنے والی شخصیت، ہر ایک سے ٹکرا جانے والی شخصیت، ایک متحرک انسان، ہمہ وقت متحرک اور وہ بھی فکر قرآنی کی نشر و اشاعت کے لئے،

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ادارہ میں میرے اکیلے آنے پر مرحوم نے مجھ سے صاحبزادہ سکندر ایڈووکیٹ اور ڈاکٹر بشیر الحق کی خیریت اور نہ آنے کا سبب نہ پوچھا ہو۔ کنونشن میں سینکڑوں قرآنی پروانے تشریف لاتے، مرحوم ہر ایک کو نام اور چہرے سے جانتے تھے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ طلوع اسلام ٹرسٹ اور ادارہ طلوع اسلام کا یہ درخشندہ ستارہ بہت کچھ اپنے ساتھ لے کر ڈوب گیا۔ اب اس عمارت میں شاید وہ رونق نہ رہے۔ رونق آخر انسانوں ہی سے ہوتی ہے اور سب انسان برابر تو نہیں ہوتے میرے بھائی عمر دراز! تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ پاکستان کی گولڈن جوبلی کے حوالہ سے 14 اگست کو ہونے والی تقاریر میں تم تحریک پاکستان میں علماء کے کردار پر روشنی ڈالو گے۔ لیکن 14 اگست سے پہلے ہی تم ملک عدم سدھار گئے۔ اس تاریخی موقعہ پر تمہارا ہونا کتنا ضروری تھا۔ تمہارے بغیر تو اب ہر محفل سونی ہو گی۔ کون پوری کرے گا یہ کمی۔

مرحوم کی شخصیت نہ صرف احباب قرآنی میں جانی پہچانی تھی۔ بلکہ دور دراز تک قرآنی حوالے سے مرحوم ایک معروف انسان تھے۔ ہمارے تصور میں بھی یہ نہیں تھا کہ عمر دراز مرحوم ہمیں اتنا جلدی چھوڑ

جائیں گے۔ دل کی گہرائیوں سے دست بدعا ہوں کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ وہ مقام عطا فرمائے جو مقام اللہ تعالیٰ نے پرویزؒ کو عطا فرمایا ہے۔ استاد اور شاگرد جنت الفردوس میں اکھٹے رہیں۔ آمین ثم آمین۔ عبداللہ ثانی

☆ بھائی عمر دراز کو میں بھی کچھ کچھ جانتا تھا کچھ کچھ اس لئے کہ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے' اور ساری جہتوں کا احاطہ کوئی کیسے کر سکتا ہے۔ ترشے ہوئے ہیرے کا ہر پہلو تابناک اور چمکدار ہوتا ہے۔ ایک پہلو پر نگاہ ہو تو باقی آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ پہلے پہل تو بس ان سے صاحب سلام دعا ہوتی تھی جب وہ کچھ دنوں کے لئے کویت سے آیا کرتے تھے' پرویز صاحبؒ کے پاس التزام سے حاضری دیتے۔ محسوس ہوتا تھے۔ کبھی کبھی پرویز صاحبؒ بھی کہا کرتے' عمر دراز کویت سے آ جائے تو ہم اپنا پریس' اپنا اشاعت گھر بنا لیں گے۔ وہ کویت سے صرف انہی کو ملنے آئے ہیں۔ بہت بعد میں معلوم ہوا کہ وہ واقعی صرف انہی سے ملنے آتے

بابا جی کے سفر آخرت سے پہلے وہ لاہور میں تھے' ان کی بیماری کے دنوں میں سارا وقت ان کی خدمت میں مستعد دکھائی دیئے۔ پرویز صاحب کی وفات پر تحریک طلوع اسلام پر جو وقت پڑا وہ بڑا ہی سخت' بڑا ہی مشکل وقت تھا۔ کئی بار تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ تحریک بس اب تاریخ کا حصہ بن کر رہ جائے گی۔ کتابیں بس کہیں لائبریریوں میں نظر آئیں گی' کوئی آنے والا مورخ یاد دلائے گا کہ یہاں ایک سکالر ہوا کرتا تھا جس نے عمر اس کتاب عظیم کے سمجھنے اور سمجھانے میں گزار دی' اس کے لئے دکھ سہے' تکلیفیں برداشت کیں۔ اس نور کو پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

کچھ اور اصحاب بھی تھے مگر عمر دراز ان سب میں نمایاں تھے جو اس خزانے کو پرویز صاحبؒ کی تحریروں کو محفوظ کرنے کے لئے اور ان کی اشاعت کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ موجود کتابیں دوبارہ خریدیں' نئی اشاعت کے لئے حقوق خریدے' یہ لاکھوں کا خرچہ تھا۔

صرف یہی نہیں 25 بی کا وہ حصہ جو ادارے کے تصرف میں تھا اسے خریدا' بقینا" اس میں اور لوگوں کا بھی حصہ تھا' میں نام نہیں لینا چاہتا' بہت سے احباب جانتے ہوں گے کہ مالی اعانت میں کون ہستی ہمیشہ سب سے سبقت لے جاتی رہی۔

ٹھکانہ بنا' ٹھکانے کے اندر کتابوں کے لئے لائبریری قائم کی گئی' پرویز صاحبؒ کی ذاتی لائبریری اس کا نیوکلس بنی' جہاں تک انتظامی حصے کا تعلق ہے' اس سب کے پیچھے جو روح رواں تھا اس کا نام عمر دراز تھا۔

میں نے " کچھ کچھ جانتا ہوں " اس لئے بھی لکھا کہ مجھے وہ واقعہ یاد آگیا جو غالبا" پرویز صاحب نے شاہکار رسالت میں لکھا ہے' میں نے ان کی زبانی سنا تھا کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک شخص کسی شناسا کے معاملے میں گواہی کے لئے آیا تو آپ نے پوچھا' کبھی اس کے ہمسائے میں رہے ہو' جواب دیا جی نہیں' پھر پوچھا' اس سے کبھی لین دین کا معاملہ' جواب دیا' جی نہیں پھر آپ نے پوچھا' کبھی اس کے ساتھ سفر کیا' جواب دیا جی نہیں۔ اسپر انہوں نے فرمایا' تو پھر جاؤ تم نے صرف اس کو مسجد میں رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو؟ میں عمر دراز کے ہمسائے میں کبھی نہیں رہا' ان سے کاروبار' لین دین کا واسطہ بھی نہیں رہا' میری گواہی ناقابل اعتبار قرار پاتی اگر مجھے ان کے ساتھ چند بار سفر کا موقعہ نہ ملا ہوتا' پہلی بار ہم کراچی مرحوم سلام صاحب کو سمجھانے' منانے' ان کو اپنی گڈ ول دکھانے کے لئے گئے'

جہاز لیٹ ہو گیا' رات کا وقت تھا' ائیر پورٹ لاونج میں جو محفل جمی ہے' واقعات' ذاتی گفتگو' تحریک کے معاملات' سبھی زیر بحث آئے۔ بات بڑھتے بڑھتے شعر و اشعار کی دنیا میں پہنچ گئی' کوئی شعر ادھر سے آیا' کوئی ادھر سے' شعر کے بعد لطیفوں کا دور چلا' محفل کشت زعفران تو بنی مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے دیکھا کہ سارے مسافر ہمارے ارد گرد بیٹھے ہماری باتوں پر متوجہ تھے' ہم جان محفل بن چکے تھے۔ لوگوں کے بارے میں تاثر یہی ہوتا ہے کہ خشک قسم کے لوگ ہوتے ہیں جنہیں شعر سے' شعر کی رنگینی سے' ادب سے' زندگی کے ان شعبوں سے جسے تفریح کہا جاتا ہے کچھ واسطہ نہیں ہوتا مگر وہ زاہد خشک نہ تھے' شعر کا ذوق رکھتے تھے' لطیفہ سن سکتے تھے' اس سے محظوظ ہوتے تھے' خود سنا سکتے تھے' دوسروں کو ہنسا سکتے تھے' خود ہنس سکتے تھے۔

کتاب عظیم کا علم اتنا وسیع تھا کہ زندگی کا کوئی معاملہ ہو' متعلقہ آیات کے حوالہ جات ان کی زبان پر ہوتے' پرویز صاحب کے بعد جب کبھی کسی حوالے کی ضرورت پڑی میں نے دیکھا کہ انہوں نے ہمیشہ میری رہنمائی کی۔

پھر ہم فیصل آباد گئے' فیصل آباد سے چک جھمرہ گئے' ایک بار گجرات جانا ہوا ۔۔ کبھی عزیزم خالد ڈرائیو کرتے' کبھی خود ۔۔۔۔ ساتھیوں کے آرام کا خیال' ان کے کھانے پینے کا بندوبست سبھی وہ خود پر فرض قرار دے لیتے' راستے کے کئی ریستورنٹ ان کی دوست نوازی کے گواہ ہیں۔

گرم جوش' سربلند' دبنگ' کسی سے نہ ڈرنے والے' نہ گھبرانے والے' عورت فاؤنڈیشن کی تقریب میں شمولیت کو بھی سفروں میں شمار کر لوں تو غلط نہ ہو گا' جس انداز سے انہوں نے اس محفل میں اپنا رنگ جمایا اس کی جھلک اس محفل میں شامل تمام لوگوں کی آنکھوں میں نظر آتی تھی۔ کنونشنوں کی تو بات ہی جانے دیں' پرویز صاحبؒ کے بعد پہلی کنونشن منعقد کرنے کی جرات انہی کے حصے میں آئی۔ بطریق احسن اس سے نمٹنے کی وجہ سے ایک بار پھر سالانہ کنونشن تحریک کی تقویت کا باعث بننے لگی' پھر کنونش آ رہی تھی' پھر ان سے توقعات تھیں کہ وہ اپنے بلند بانگ انداز میں کسی اہم موضوع پر قرآن پاک کی رہنمائی سے احباب کے علم میں اضافہ اور ایمان کی تقویت کا باعث بنیں گے۔

پرویز صاحبؒ کی تصانیف کے انگریزی ترجمے میں اسقدر مگن تھے کہ راتوں کی نیند اس کی نذر ہونے لگی تھی' ذکر ہوتا' اتنے صفحے ہو گئے ہیں' وہاں تک پہنچ گیا ہوں' رات تین بجے تک مصروف رہا' آج تو رات چار ہی بج گئے۔۔ جانے کیا جلدی تھی' کیا بے صبری تھی۔

کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

☆ محمد عمر دراز چل بسے۔ ان کے رخصت ہو جانے سے وہ پورا عہد رخصت ہو گیا جس کی ازل بھی وہ خود تھے اور ابد بھی! یہی ایک عظیم انسان کی شناخت ہے کہ وہ اپنے عہد کو اپنے بطن سے جنم دیتا ہے اور مال کار اس عہد کا خاتمہ بھی اس کی ذات ہی پر ہوتا ہے' مراد یہ نہیں کہ عظیم انسان اپنے پیش روؤں سے اثرات قبول نہیں کرتا یا اس کے اثرات آنے والی نسلوں پر مرتسم نہیں ہوتے یا زمانہ اس کے نقال پیدا کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے بلکہ یہ کہ وہ اپنے پیش روؤں نیز اپنے بعد آنے والوں سے اس قدر

مختلف ہوتا ہے کہ اسے نہ تو کسی کا لاحقہ قرار دیا جا سکتا ہے' اور نہ سابقہ ! ۔۔۔ وہ تنہا ہستی ہے جس کا وجود میں آنا ایک کائناتی جست ہے بعینہ جیسے حیاتیات میں تقلیب (Mutation) کی حیثیت ایک حیاتیاتی جست کی سی ہوتی ہے۔
بزم لاہور

☆ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اور احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کا ہنگامی اجلاس مورخہ 13 جولائی 1997ء پرویز میموریل ریسرچ سکالرز لائبریری میں محترم حاجی حبیب الرحمٰن خان کی زیر صدارت ہوا۔ اجلاس میں محترم حبیب الرحمٰن خان نے محترم محمد عمر دراز کی خدمات جلیلہ اور جہد مسلسل کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اور قرار داد تعزیت پیش کی کہ ہر دو سوسائٹیز کے معاملات میں ان کی گہری دلچسپی تھی اور قرآنی تعلیمات کی وسعت آشنائی کے لئے ہمیشہ مصروف تگ و تاز رہے۔

ہر اجلاس میں باقاعدہ شریک ہوتے اور ان میں معاملات فہمی اور فیصلہ کرنے کی جو منفرد صلاحیت تھی وہ ان کے تجربہ اور تبحر علمی کے سبب تھی۔ ہر ذمہ داری نہایت احسن انداز سے پوری کرتے اور کبھی کسی کام سے جی نہیں چرایا۔ محترم حاجی حبیب الرحمٰن خان نے مزید بتایا کہ جب سے طلوع اسلام ٹرسٹ نے ان کے ذمہ مفہوم القرآن کے حصہ دوم کے انگریزی ترجمہ کی ذمہ داری سونپی تو اس کی تیاری میں شیخ اللہ دتا اور محترم محمد عمر دراز نے ہر ہفتے کئی کئی گھنٹے مسلسل کام کیا۔ اس ضمن میں نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کے لئے انہوں نے اپنا بے پناہ وقت اور توانائی صرف کی۔ اپنے مخدوش کاروباری حالات کے باوجود انہوں نے تراجم اور قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے کام بڑی محنت اور جانفشانی سے کئے۔

مختلف اصحاب سے مفہوم القرآن کے ترجمہ پر جو آرا آئیں ان سب کو بدقت نظر دیکھنے اور حسب ضرورت استفادہ کرنے میں ان کے شب و روز صرف ہوئے مگر ان کے چہرے پر کبھی تھکن کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ یہ دراصل ان کا مقصد کے ساتھ عشق اور جذبہ صادقہ تھا جو اس قدر ان تھک محنت پر ان کو اکساتا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ مفہوم القرآن کے حصہ دوم کا انگریزی ترجمہ کنونشن کے موقع پر شائع کر دیا جائے جس کے لئے پوری تندہی سے کوشش کی جا رہی ہے۔

دیگر شرکاء جن میں محترم عطاء الرحمٰن ارائیں صاحب' محترم چوہدری غلام سرور صاحب' محترم محمد محسن صاحب' محترم خالد بشیر فاروقی صاحب' محترم جعفر حسین صاحب اور محترمہ بیگم نسیم ثانی صاحبہ شامل تھے' نے بھی محترم محمد عمر دراز کی ناگہانی وفات حسرت ایات پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا۔ اس اچانک حادثے سے یوں تو تحریک کے تمام گوشے حد درجہ متاثر ہوئے کہ وہ ہر جگہ کام کے حوالے سے سرفہرست نظر آتے تھے لیکن قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اور احباب کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کی مزید ترقی و ارتقاء کے لئے تو گویا انہوں نے جان لڑا دی تھی۔

ان حالات میں کوئی ایسا فرد نظر نہیں آتا کہ ان ایسا بلند حوصلہ' جواں فکر' نڈر اور صاحب علم ہو اور اسی طرح کام کو آگے بڑھائے کہ جو ان کا خاصا تھا۔ انہوں نے تعلیمات قرآنی کے سلسلے میں جو گراں بہا خدمات سرانجام دی ہیں وہ رائیگاں نہیں جائیں گی۔ پروردگار سے دعا ہے کہ ان کے درجات بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے پس ماندگان کو اس سانحہ کو ہمت اور حوصلے سے برداشت

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

☆ اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

بزم بچ کسی' ابھی محمد حسین آزاد مرحوم کی وفات کے صدمہ سے ہی نہ سنبھلی تھی کہ " ناوک نے تیرے مارا وہ تیر کہ ہائے ہائے "

رفیق گرامی عمر دراز بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات کی خبر بجلی بن کر گری۔ جس نے سنا سکتے میں آگیا۔ نام تو عمر دراز تھا مگر وائے افسوس عمر دراز نہ پا سکے۔ تاہم وہ اپنی درازی عمر میں ہمسفروں سے بہت آگے آگے رہیں گے۔ زندگی ماہ و سال سے عبارت نہیں۔ یہ پیمانہ کم مائیگی اور دوں ہمتی کا معیار ہے۔ اہل ایمان کے پیمانے الگ ہیں۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر نکلے ادھر ڈوبے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے

" زندگی " زندہ کارناموں' جہد مسلسل اور اعمال صالح سے برد مند ہے تو " مرحوم " کس طرح موت کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اور بھائی " عمر دراز " تو گرم دم گفتگو ہی نہ تھے وہ گرم دم جستجو بھی تھے۔ انتھک' محنتی اور فکر قرآنی کے جذبے سے سرشار۔ پرویز صاحب کے جانثار علامہ پرویز مرحوم کی وفات سے پیدا ہونے والے خلا کو پاٹنے میں شب و روز مصروف تگ و تاز رہے۔

" ادارہ طلوع اسلام " کی تنظیم نو اور قرآنی فکر کے جواہر پاروں کی تزئین و طباعت سے کون واقف نہ ہو گا۔ تحریک قرآنی کے دور ابتلا میں آپ نے دامے' درمے' سخنے جس والہانہ شیفتگی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے لیے ایک انمٹ نقش اور تابندہ نشان راہ ہے جس کی روشنی میں وہ ہر دم ہنستے' مسکراتے' پلٹتے' جھپٹتے نظر آتے رہیں گے۔

" تحریک طلوع اسلام " کی سالانہ کنونشوں' سیمناروں' اور قومی تہواروں کے علاوہ ادارہ کی مجالس استفسارات تک کی رونق انہی کے دم سے تھی' قرآن کی تعلیمات کے فروغ میں جھجک' کم مائیگی اور بے کسی کو انہوں نے کبھی آڑے نہ آنے دیا۔ ہمیشہ مشکلات و موانعات کے آگے سینہ سپر رہے۔ وہ ؎

ہم کج ادا چراغ کہ جب بھی ہوا چلی
طاقوں کو چھوڑ کر سر دیوار آ گئے

کی تصور تھے --------ہمارے عمر دراز (مرحوم)

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشن ہستی میں مانند نسیم ارزاں ہے موت

موت کی یہ ارزانی اگرچہ " عمر دراز " کو ہم سے دور لے گئی ہے لیکن اس کے بے رحم ہاتھ ان کی

روشن " زندگی " کے ہمسفروں کے دلوں سے محو نہیں کر سکے گی۔ بزم پنج کسی

☆ ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا کہیں جسے ۔۔۔۔۔ بزم یارڈلے

☆ اچھی صحت' چاک و چوبند' موت کا سن کر حواس گم ہو گئے۔ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ عمر دراز ابھی سے چل بسیں گے۔ بزم گوجرانوالہ

☆ محترم عمر دراز کی موت سے پیدا ہونے والا خلا کیونکر پورا ہو گا۔ بزم اوکاڑہ

☆ چند جملے لکھنے کے لئے قلم تو میں نے اٹھا لیا ہے۔ لیکن جذبات ساتھ نہیں دے رہے۔ یقین نہیں آرہا کہ عمر دراز ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بچوں سے ان کا مشفق باپ اور بیوی سے رفیق حیات چھن گیا لیکن عمر دراز تو اور بھی بہت کچھ تھا۔ میرا دوست' میرا بھائی' قرآنی فکر میں میرا ہم سفر۔ تحریک طلوع اسلام کا روح رواں' احباب ہاؤسنگ سوسائٹی کی مجلس عاملہ کا رکن اور سیکرٹری مالیات' قرآنی ایجوکیشن سوسائٹی کا سیکرٹری' ادارہ طلوع اسلام کی مجلس عاملہ کا رکن اور ان سب سے بڑھ کر علامہ پرویزؒ کی گراں مایہ تصانیف کا مترجم۔ مفہوم القرآن کے انگریزی ترجمے کے لئے ہفتہ میں دو بار نشست میرے ہی غریب خانہ پر ہوتی تھی۔ شیخ اللہ دتہ اور عمر دراز مرحوم میرے شریک کار تھے۔ قرآن فہمی کی یہ مجالس ہماری زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں۔ اگست 94 تک Exposition کا مسودہ مکمل کر چکا تھا۔ عمر دراز صاحب اسے ٹائپ کرواتے اور ہم تینوں مل کر اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے۔ عربی ادب میں شیخ اللہ دتہ صاحب کا اپنا مقام ہے۔ عمر دراز بھی کم نہ تھے۔ 27 رمضان المبارک کو یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ہم تینوں نے آخری پارہ پر اپنے دستخط ثبت کئے اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ مکمل شدہ پاروں کو مشتہر کر کے دوستوں کی رائے لی گئی اور ان کی تجاویز کی روشنی میں ترجمے کا پھر سے جائزہ لیا گیا۔ یہ بہت مشکل کام تھا۔ ایک پارہ کو آخری شکل دینے میں ایک ماہ لگ گیا۔

یہ رفتار دیکھ کر مجھے صدمہ ہوا کہ میرے پاس نہ تو اتنا صبر و تحمل ہے اور نہ اتنی عمر لیکن میں حیران رہ گیا کہ عمر دراز نے میری اس تشویش کا نوٹس لیا اور ہفتہ میں تین تین' چار چار' پارے بھجوانے لگے اور 30 مئی تک 13 پارے مکمل کر دیئے۔ اب پتا چلا کہ انہیں کیا جلدی تھی۔ پروگرام کے مطابق Exposition کا دوسرا حصہ کنوشن پر پیش کیا جانا تھا۔ عمر نے وفا کی تو میں انشاء اللہ اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کروں گا' ہر چند کہ عمر دراز کی کمی قدم قدم پر محسوس ہو گی۔ وہ تیزی' وہ تندہی' وہ مستعدی وہ معاملہ فہمی' کتاب عظیم سے والہانہ عشق اور بے تابی تمنا کی زندہ مثالیں اب کہاں ملیں گی۔ سچ تو یہ ہے کہ :

شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا ترے بعد

حبیب الرحمٰن خان

☆ عمر دراز موحوم کی شخصیت طلوع اسلام کے حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ طلوع اسلام کے حوالے سے ان کی شخصیت ایک چلتا پھرتا ادارہ تھی قرآنی فکر کی اشاعت و طباعت میں ان کی کارکردگی کچھ کم نہ تھی انگریزی لٹریچر کی اشاعت جس پر وہ اب کام کر رہے تھے ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی ان پر۔ ان کی غیر موجودگی سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پر کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ فکر قرانی کی ترویج کا کوئی ایسا گوشہ نہ تھا جس میں عمر دراز کا عمل دخل نہ ہو۔

مجھے کئی بار ادارہ میں جانے کا اتفاق ہوا لیکن کبھی عمر دراز صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ایک دفعہ شاہراہ قائد اعظم پر ایک کتابوں کی دوکان میں کچھ کتابوں کی تلاش میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اسی دوکان میں عمر دراز صاحب بھی موجود ہیں۔ چونکہ ان سے پہلے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی اس لئے شک میں تھا کہ کیا واقعی یہ عمر دراز صاحب ہیں۔ ہمت کر کے پوچھ ہی لیا کہ کیا آپ عمر دراز ہیں' کہنے لگے جی ہاں' میں نے اپنا تعارف کرایا تو مل کر بہت خوش ہوئے اور بزم اوسلو کے بارے میں اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ فکر قرآنی کی تشہیر کے سلسلہ میں احباب بزم اوسلو کی کاوشوں کو سراہا۔ ان کے صاحبزادے بھی دوکان میں موجود تھے انہیں پاس بلوا کر میرا تعارف کروایا۔ مختصر گفتگو ہوئی' مختصر ملاقات تھی سوچا بعد میں طویل ملاقات ہو گی لیکن کیا معلوم تھا کہ یہی پہلی اور آخری ملاقات ہے۔ بزم اوسلو کی شدید خواہش تھی کہ گولڈن جوبلی کے موقعہ پر مرحوم عمر دراز صاحب' شمیم انور صاحبہ اور طارق عزیز صاحب کو اوسلو بلوایا جائے۔ مشاورتی بورڈ کے متفقہ فیصلہ پر چوہدری لطیف صاحب کو خط لکھا گیا کہ ان احباب سے مشورہ کر کے ان کے کوائف بھیجیں تاکہ ویزے کے لئے اپلائی کریں۔ چوہدری صاحب سے جواب ملا کہ گولڈن جوبلی کے موقعہ پر ان احباب کی پاکستان میں بھی اشد ضرورت ہے اس موقعہ پر ان کا یہاں سے جانا ناممکن ہے۔ کیا معلوم تھا کہ لاہور اور ناروے سے بھی بڑھ کر کہیں اور ان کی ضرورت ہے۔

پرویز صاحب کے الفاظ میں :-

" زندگی (یا شعور ذات) ایک مسلسل جاری رہنے والی ندی ہے۔ جو اس دنیا کے بیاباں سے اخروی گلستان میں داخل ہو جاتی ہے اور موت اس باڑ کا نام ہے جو ان دونوں کے درمیان حائل ہے جس کی وجہ سے ہم (اس بیابان میں کھڑے) ندی کو باڑ سے آگے نہیں دیکھ سکتے' لہٰذا یہ تصور صحیح نہیں کہ جتنے لوگ مرتے ہیں وہ (مرنے کے بعد) قبروں میں روک لئے جاتے ہیں اور پھر ان سب کو ایک دن اکٹھا کیا جائے گا۔ اسے حشر یا قیامت کا دن کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی قیامت اس کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے۔ (جہان فردا)

اس سے محسوس ہوتا ہے کہ محترم عمر دراز صاحب اس قیامت سے گزر کر علامہ پرویز مرحوم سے مل بزم اوسلو لئے ہوں گے۔ اللہ ہر دو کے درجات بلند فرمائے۔

☆ محترم محمد عمر دراز کی ناگہانی وفات کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ مرحوم قرآن کریم کے نہایت ہی لائق و فائق طالب علم تھے۔ قرآن کریم سے بے پناہ لگاؤ آپ کو بزم پرویزؒ میں کھینچ لایا۔ کیونکہ قرآن خالص کی شمع بصیرت صرف اسی بزم ایک میں روشن ہوتی ہے۔ آپ

کا شمار پرویز صاحبؒ کے ذہین اور مخلص شاگردوں میں ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے آپ کو قرآنی فکر کی ترویج اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ جس وقت آپ کو دل کا پہلا دورہ پڑا آپ اس وقت بھی اسی کام میں مشغول تھے اور محترم پرویزؒ صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف شاہکار رسالت کے انگلش ترجمہ کو ریویو کر رہے تھے۔ آپ نے تحریک طلوع اسلام کے فروغ اور استحکام کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ محترم پرویز صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کا شمار تحریک کے نہایت معزز اور ذمہ دار ارکان میں ہوتا تھا۔

آپ طلوع اسلام ٹرسٹ کے بانی رکن تھے۔ ماہنامہ طلوع اسلام لاہور' پرویز صاحب کے جملہ لٹریچر کی پبلشنگ کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی اور اسے نہایت لگن اور خلوص کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ آپ بزم طلوع اسلام لاہور کے نمائندہ بھی تھے۔ اس سے پہلے آپ بزم کویت کے نمائندہ بھی رہ چکے ہیں۔ کویت میں آپ تقریباً 25 سال تک مقیم رہے اور کویت ائیرویز میں بطور انجینئر خدمات انجام دیں۔ کویت میں پاکستان کمیونٹی کے فلاح و بہبود کے کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے پیچھے احباب کا ایک وسیع حلقہ چھوڑا ہے۔

مرحوم عمر دراز یگانہ صفت شخصیت کے حامل تھے۔ قرآن کریم کی انسانیت ساز تعلیمات نے انہیں پروقار اور مستحکم بنا دیا تھا۔ نڈر' بے باک اور جرات مند ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صاحب علم و ادراک بھی تھے۔ جو ایک نایاب مرکب ہے۔ اپنا نقطہ نظر بیباک و بدلیل پیش کرنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا اور قرآنی تعلیمات کو انہیں اپنی ہر عزیز چیز سے عزیز رکھا۔ تحریک طلوع اسلام پر ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جب اس کا نام لینا کفر سمجھا جاتا تھا اس وقت اچھے اچھے طلوع اسلامی بھی سہم گئے تھے لیکن عمر دراز اس دوران بھی بولتا رہا اور خوب ڈٹ کر بولا۔ وہ طلوع اسلام کا ایک بہادر اور نڈر سپاہی تھے!

اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چل کر ان کا مشن پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق دے۔

عبید الرحمان آرائیں

☆ انہی دنوں بیچ کسی کے سابق نمائندہ جناب محمد حسین آزاد بھی اس اس دنیا سے سدھار گئے۔ مرحوم تحریک طلوع اسلام کے جرات مند ترجمان اور سرگرم سفیر تھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور استاد ہونے کے ناطے نژاد نو میں قرآنی تعلیم پھیلانے میں مصروف تھے کہ پیغام اجل آگیا۔

☆ پرانے ساتھیوں میں سے جناب رحیم بخش صاحب بھی طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ مرحوم سابق ایڈیٹر طلوع اسلام مرزا محمد خلیل کے بہنوئی اور محترمہ شمیم انور کے خالو تھے اور علامہ پرویز مرحوم سے انہیں گونہ تعارف حاصل تھا۔ اللہ قرآن کے ان شیدائیوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

سوگوار ۔ مدیر مسئول

***

☆ تحریک میں کام کرنے والوں کی پہلے ہی کمی تھی۔ اب عمر دراز بھی رخصت ہو گئے۔ تحریک اتنے نقصان کی کیونکر متحمل ہو گی۔ بزم سعودی عرب

☆ محترم عمر دراز صاحب کی اچانک موت بہت بڑا سانحہ ہے۔ بہت خوبیوں کے مالک تھے مرحوم۔ بزم حیدر آباد

☆ یقین نہیں آتا، عمر دراز بھی فوت ہو گئے۔ یہ کیوں ہوا۔ کیسے ہوا؟ افرادی قوت تو پہلے ہی نہ ہونے کے برابر تھی۔ تحریک کو ان کی فوتیدگی سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ بزم ڈنمارک

نذرانہ عقیدت

☆ غم اور خوشی کے راستے آ کر جہاں ملے
کچھ مہرباں بچھڑ گئے، کچھ مہرباں ملے
فارغ ہوئے عمر بھی، غمِ دراز سے
جنت مکاں کو خُلد میں جنت مکاں ملے
سینے میں جس کے قلزمِ قرآن تھا آباد
اے کاش ایسا پھر کوئی، کوہِ گراں ملے
ہر لب پہ یہ دعا ہے ربِّ کریم سے
روحِ عمر کو اور بھی تاب و تواں ملے
قرآں کے تشنہ لب کو گر مل سکے لطیف
کوثر کی آب جو سے آبِ رواں ملے

دل فگار - محمد لطیف چوہدری

***

اوسلو (ناروے) میں قرآن کی آواز

بزم طلوع اسلام' اوسلو' نے گذشتہ چند مہینوں میں مختلف پروگرام تشکیل دیئے' جن میں مختلف طریقوں سے یہاں پر موجود پاکستانی مسلم حلقہ احباب کی خدمت میں پرویز صاحبؒ کی قرآنی فکر کے کچھ باب پیش کئے۔ قرآنی تعلیمات کے سلسلے میں اس برس سب سے پہلا پروگرام' " جشن نزول قرآن " کے نام سے 22 فروری کو پیش کیا۔ اس پروگرام کی ابتدا پرویز صاحبؒ کے درس قرآن کے ویڈیو کیسٹ سے ہوئی جس میں علامہؒ نے سورہ محمدؐ کی تفسیر بیان کی ہے۔

درس قرآن کے بعد مدیحہ خان نے " عورت قرآن کے آئینے میں " کے موضوع پر بڑی مدلل تقریر کی اور ایک اسلامی معاشرے میں قرآن کی رو سے عورتوں کے حقوق و فرائض پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اکرم شاہ صاحب نے نارویجن زبان میں قرآنی قوانین بیان کئے' ایسے قوانین جن کا اطلاق ہماری روز مرہ کی زندگی پر ہوتا ہے۔ چونکہ اس تقریب میں نارویجن خواتین و حضرات کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی اس لئے شاہ صاحب نے اپنی تقریر نارویجن زبان میں کی تاکہ غیر ملکی مہمان بھی قرآن کی آواز سن سکیں دو نارویجنوں نے بھی اسلام اور پاکستان کے موضوع پر تقاریر کیں۔ یہ چیز کئی احباب کو حیران کر گئی کہ نارویجن خواتین و حضرات کی اسلام کے بارے میں معلومات ہمارے کئی پاکستانی دوستوں سے بھی زیادہ تھیں۔

سوال و جواب کے وقفے کے دوران ہال میں موجود طلباء و طالبات نے اپنی اسلامی معلومات میں اضافے کی غرض سے کئی سوالات کئے اور اسٹیج پر موجود ڈاکٹر زاہد صفدر' اکرم شاہ اور مدیحہ خان نے ان سوالات کے جوابات قرآن کی روشنی میں دیئے۔

بزم طلوع اسلام' اوسلو کا دوسرا پروگرام' " یوم پاکستان " کی تقریب کے نام سے ہوا اس پروگرام کی ابتدا بزم کے نمائندہ جناب خادم حسین ملک نے اپنی تقریر سے کی اور سامعین کو بتایا کس طرح علامہ غلام احمد پرویزؒ نے ایک سپاہی کی طرح تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ اس وجہ سے ہی برصغیر کے علماء کی نظر میں علامہ پرویزؒ معتوب ٹھرے۔

اس پروگرام میں بچوں اور نوجوانوں نے بھی بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ ذیشان عبداللہ' رمشاء سید' نگار سید' ماجد ملک' سونیا بٹ' رویضہ اسد' حرا راشد اور بہت سے دوسرے نوجوانوں نے تقاریر کیں اور ملی نغمے پیش کئے۔ نوجوانوں اور بچوں سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ بزم طلوع اسلام ناروے' کے مشاورتی بورڈ کے رکن جناب وقار بیگ صاحب جو کہ خود ایک اچھے مقرر اور پروگرام کمپیرنگ کے ماہر ہیں' نے پاکستان کے بارے میں اپنی معلومات اور چھوٹے بڑے چٹکلوں کے ساتھ اس پروگرام کے حصے کو بہت ہی دلچسپ اور معلوماتی بنا دیا تھا۔

بزم کے تیسرے پروگرام میں ناروے کے دوسرے شہروں یعنی " موس " اور " فریڈرک سٹڈ " سے قرآنی فکر کے شیدائی بشیر بٹالوی صاحب' اعجاز صاحب اور کئی دوسرے احباب کے بیوی بچوں نے بھی حصہ

لیا۔ بشیر بٹالوی صاحب اور عبدالقدوس رامے صاحب نے عید ملن پارٹی کے سلسلے میں کئے جانے والے اس پروگرام میں حاضرین کی خاطر تواضع کی غرض سے خود اپنے ہاتھوں سے کھانے تیار کئے۔

یہ پروگرام " حج اور عید قربان " کے موضوع پر ترتیب دیا گیا تھا۔ اور " عید ملن پارٹی " کے نام سے اوسلو سے ملحقہ مضافاتی نئے اور ماڈرن علاقے " ہولم لی آ" کے خوبصورت سوسائٹی ہال میں پیش کیا گیا۔ اس پروگرام کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس میں بچوں' نوجوانوں اور خواتین کی بھاری اکثریت نے شرکت کی۔ خواتین اور بچوں نے اپنے زرق برق پہناووں سے پورے ہال میں عید کا سا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ پروگرام کی ابتدا سونیا بٹ نے تلاوت قرآن پاک سے کی۔ ایک نو مسلم تارویجن بچی نے حمد باری تعالیٰ پیش کی۔ اس کے بعد بچوں کے لئے مختلف گیمز کا اہتمام کیا گیا' جس میں چھوٹے بڑے سب بچوں نے حصہ لیا اور جیتنے والوں کو انعامات بھی دیئے گئے۔ وقار بیگ صاحب اور ان کی بیگم پروگرام کے اس حصے کے انچارج تھے حاضرین نے خوب انجوائے کیا۔

کھانے کے وقفے کے بعد پروگرام دوبارہ شروع ہوا تو ایک مہمان خاتون عنبر اعجاز نے حج کے موضوع پر بڑی جامع اور معلوماتی تقریر کی اور حاضرین کو حج اور قربانی کے اصل مقاصد سے آگاہ کیا۔ اسی طرح لندن سے تشریف لانے والی ایک معزز خاتون نے بھی اپنے خیالات کا اظہار مزاحیہ انداز میں کرتے ہوئے پورے ہال میں بیٹھے ہوئے خواتین اور حضرات' چھوٹوں اور بڑوں میں مسکراہٹیں بکھیر دیں۔ ان کے بعد منظور خاں صاحب' رانا محمد امجد صاحب اور اعجاز صاحب نے اپنی اپنی بیگمات کی سنگت میں ایک دلچسپ پروگرام پیش کر کے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ پروگرام کے اس حصے کے انچارج نمائندہ بزم طلوع اسلام ناروے' جناب خادم ملک تھے اور ان کی وجہ سے ہی پروگرام کا یہ حصہ بھی بڑا معلوماتی اور دلچسپ رہا۔ مجموعی طور پر اس پروگرام نے شروع تا آخر سب حاضرین کو بہت محظوظ بھی کیا اور ان تک دینی معلومات بھی پہنچائیں۔ رات گئے یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

1997ء کی پہلی ششماہی کا چوتھا پروگرام 15 جون بروز اتوار " بیولسن سکول " کے بہت بڑے ہال میں " جشن تحریک قائدین پاکستان " کے نام سے پیش کیا۔ اس پروگرام کی ابتدا " تلاوت قرآن پاک سے کی گئی۔ اور پھر نمائندہ بزم طلوع اسلام' ناروے خادم ملک صاحب نے پروگرام کی تفصیل حاضرین کے گوش گزار کی۔ قلب سلیم نے علامہ اقبالؒ کا عارفانہ کلام پیش کیا۔

یہ پروگرام تقاریر پر مشتمل تھا اس لئے سب سے پہلے آفتاب سید صاحب نے جشن تحریک قائدین پاکستان " کے موضوع پر تقریر کی اور حاضرین جلسہ کو پرویز صاحب اور دیگر قائدین تحریک پاکستان کی' پاکستان کے حصول کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں اور قربانیوں کی بابت تفصیلاً بتایا۔ غلام رسول صاحب نے سر سید احمد خانؒ جیسی مشہور و معروف شخصیت پر تقریر کی اور حاضرین کو اپنی تقریر میں بتایا کہ کس طرح علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی نے سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانے میں دن رات ایک کر دیئے تھے۔

رانا محمد امجد صاحب نے اپنی تقریر میں علامہ اقبالؒ کی ان کوششوں کو سراہا جو انہوں نے مسلمانوں کی آزادی اور ان کے لئے ایک علیحدہ خطہ زمین حاصل کرنے کے لئے کی تھیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے

یہ بھی بتایا کہ کس طرح علامہ اقبالؒ نے، قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو اس بات پر قائل کیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کریں۔

امجد صاحب کی تقریر کے بعد مدیحہ خان، قلب سلیم اور خود امجد صاحب نے مل کر علامہ اقبالؒ کا کلام پیش کیا۔ اپنی باری آنے پر ایاز نقوی نے بڑی زور دار تقریر کی اور حاضرین کو بتایا کہ قرآن نے نظریات کی بنیاد پر قوم کی پہچان کس طرح اور کیوں کی؟ ان کی تقریر کا اصل موضوع "قائد اعظمؒ" تھا۔ پاکستان کے حصول کے لئے محمد علی جناحؒ نے کس طرح دن رات ایک کئے اور کس طرح ایک طرف ہندو اور انگریز سے مقابلہ کیا اور دوسری طرف جھوٹے ملاؤں سے نبرد آزمائی کی، وہ ملا جو پاکستان بننے کے خلاف تھے۔

اس کے بعد دیگر خواتین و حضرات نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

رپورٹ: مصطفیٰ شان

❋❋❋

کراچی صدر اور حیدر آباد (قاسم آباد) سندھ میں

سلسلہ وار درس قرآن کریم کا اہتمام (بذریعہ ویڈیو کیسٹ) مندرجہ ذیل مقامات پر کیا گیا ہے۔

شہر و مقام		دن	وقت
کراچی صدر	فاروق ہوٹل ہال۔ زیب النساء سٹریٹ بالمقابل فٹ رائٹ شوز شاپ	اتوار	10 بجے صبح
حیدر آباد	12-B حیدر آباد ٹاؤن فیز 2 بالمقابل نسیم نگر قاسم آباد	جمعہ بعد نماز عصر	

دعوت عام ہے تشریف لائیں

قرآنی لٹریچر۔ جملہ مطبوعات طلوع اسلام ٹرسٹ، مجلّہ طلوع اسلام کے تازہ شمارے درس کے دوران 35% رعایت کے ساتھ حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

رابطہ:

ایاز حسین انصاری نمائندہ بزم طلوع اسلام کراچی صدر، بزم طلوع اسلام قاسم آباد حیدر آباد (سندھ)

ٹیلی فون: کراچی 4571919 حیدر آباد 654906

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک طلوع اسلام

تعارف

1۔ طلوع اسلام خالصتاً" ایک علمی و فکری تحریک ہے اور قرآن کریم کی تعلیمات اور سنت رسولؐ کو علیٰ وجہ البصیرت پیش کرتا ہے۔

2۔ طلوع اسلام ان تمام عقائد و نظریات کا دل سے احترام کرتا ہے جو قرآن و سنت سے صحیح ثابت ہوں۔

3۔ طلوع اسلام نہ تو سیاسی پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ۔ اور نہ یہ کوئی نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ ان سب سے خدا کی پناہ مانگتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک مسلمانوں میں فرقہ سازی شرک ہے۔

4۔ دینی امور سے متعلق طلوع اسلام کا موقف اصولی ہے' جس سے اختلاف ممکن ہے۔ اس لئے کہ اختلاف رائے انسان کا بنیادی حق ہے۔ اسی سے فکر کی نمود اور اسی سے قلب و نگاہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ طلوع اسلام نے کبھی اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔ جو کوئی اسے اس کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے طلوع اسلام اسے **بشکریہ** قبول کرتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں قرآن کریم کی سند رکھتا ہو۔

5۔ فہم قران کے سلسلے میں طلوع اسلام کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے اور انسانی کوشش کبھی سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی نہ اسے کبھی حرف آخر کہا جا سکتا ہے۔ قرآن فہمی کا سلسلہ نہ کبھی کسی دور میں ختم ہوا' نہ کسی انسان تک پہنچ کر رک سکتا ہے۔ گذشتہ چودہ سو سال کے دوران بڑے بڑے نامور اور جید علماء اکرام پیدا ہوئے جنہوں نے فہم قرآن کو پہلے سے کہیں زیادہ وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے اور آئندہ بھی امت مسلمہ کی کوکھ سے ایسے عالم پیدا ہوتے رہیں گے جو فہم قرآن کو نئی **رفعتیں** عطا کریں گے۔ یہ ایک جوئے رواں ہے جو لامتناہی وسعتوں کا امکان رکھتی ہے۔ جوں جوں انسانی علم وسیع ہو گا قرآنی حقائق بیش از بیش بے نقاب ہوتے جائیں گے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ **ھی حتی مطلع الفجر**

6۔ احادیث شریف کے متعلق طلوع اسلام کا موقف یہ ہے کہ ایسی تمام روایات جو قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف ہوں یا جن سے حضورؐ کی سیرت پاک داغدار ہوتی ہو یا جن سے اصحاب رسول کی مجاہدانہ اور پاک زندگیوں پر طعن پڑتا ہو وہ وضعی ہیں اور ان کو رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے۔

7۔ طلوع اسلام **وضعی** روایات کو امت کے لئے بہت بڑا فتنہ قرار دیتا ہے اس کے نزدیک **وضعی** روایات نے امت کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے اتنا تمام دشمنان اسلام مل کر بھی نہیں پہنچا سکتے۔ یہ وہ واحد فتنہ ہے جس نے امت کی وحدت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ آج پوری امت فرقوں میں بٹی ہے اور ہر فرقہ دوسرے کے خون کا پیاسا ہے کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق کی راہ پر اور دوسروں کو گمراہ قرار دیتا ہے اور ہر فرقے کی بنیاد قرآن پر نہیں بلکہ **وضعی** روایات کے اختلاف پر ہے۔ جب کہ قرآن سب فرقوں کے نزدیک متفقہ طور پر واجب الاحترام ہے۔

8۔ طلوع اسلام کے نزدیک اطاعت رسولؐ ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ قرآن کریم اطاعت رسولؐ کو اللہ کی اطاعت قرار دیتا ہے اور جو لوگ اللہ اور رسول میں تفریق پیدا کرتے ہیں انہیں پکا کافر گردانتا ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتاب، معراج انسانیت از غلام احمد پرویزؒ میں طلوع اسلام کا یہ نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ ایک انتہائی بصیرت افروز اور اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں سیرت رسولؐ کو خالص قرآن کریم کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

9۔ طلوع اسلام ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے اس کے مطابق حضرت محمد ؐ اللہ کے آخری رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ ختم نبوت فی الحقیقت نوع انسان کی آزادی کا ایک عظیم چارٹر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ (ختم نبوت) وہ ضمانت ہے کہ جس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزادی کی حدود متعین کر دی ہیں اسے ان کے اندر رہ کر زندگی بسر کرنی ہوتی ہے اور یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ کوئی ان حدود میں تغیر پیدا کرے گا۔ مومنین کے لئے خوف و حزن سے مامون زندگی بسر کرنے کی اس سے بڑی ضمانت اور کیا ہو سکتی ہے۔

10۔ طلوع اسلام منکرین حدیث اور نبوت کو کسی بھی شکل میں ماننے والوں کو خارج از اسلام سمجھتا ہے۔ ان باطل عقائد نے ایک ممتاز شوکت و سطوت کی حامل اور رفعت و عظمت کی بلندیوں پر فائز امت کو ذلت و مسکنت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ قرآن کی بصیرت افروز اور آفاقی تعلیمات اور رسولؐ کی وسعت قلب و نگاہ اور مجاہدانہ زندگی نے اس امت کو اقوام عصر کی صف اول میں لا کھڑا کیا تھا لیکن باطل تعلیمات اور نااہل قیادت نے اسے بے روح عقائد و رسومات اور توہم پرستیوں کی دلدل میں دھنسا دیا۔ اس موضوع پر ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتب "مقام احادیث" اور "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

11۔ طلوع اسلام ایک اجتماعی کوشش کا نام ہے۔ اس کے نزدیک دین میں انفرادی فتووں کی بجائے اجتماعی فیصلوں کا پابند ہونا چاہیے، یہ روش امت میں وحدت اور استحکام کا باعث بنے گی۔

12۔ طلوع اسلام کی جدوجہد کا منتہی و مقصود قرآنی نظام کا قیام تھا۔ اس وقت دنیا میں ہر طرف سیکولر نظام رائج ہے۔ اس نظام میں اصول و قوانین انسانوں کے خود ساختہ ہوتے ہیں اور مقصد حیات مفاد عاجلہ کا حصول۔ ہر کوئی (افراد، گروہ، اقوام) اپنے اپنے مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔ یہ روش

طبقاتی کشمکش کی بنیادی وجہ ہوتی ہے اور انسانی معاشرہ ہمیشہ فساد کی زد میں رہتا ہے۔ سیکولر نظام مستقل اقدار اور حیات اخروی کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس میں انسان کی تگ و تاز کا منتہی و مقصود دنیاوی لذتیں اور مسرتیں ہوتی ہیں۔ جب کہ قرآنی نظام اقدار خداوندی پر مبنی ہے اور انسان کی دنیاوی اور اخروی دونوں جہاں کی زندگی پر محیط ہے۔ بنابریں جہاں سیکولر نظام صرف دنیا کی خوشگواریوں کی بات کرتا ہے وہاں قرآنی نظام دونوں جہاں کی خوشگواریوں اور نعمتوں کی یقین دہانی کراتا ہے۔

13۔ قرآنی نظام یہ ہے کہ جس میں کوئی انسان کسی دوسرے کا محکوم' مطیع یا زیردست نہ رہے۔ ہر ایک سر اٹھا کر چلے۔ ہر ایک کو جسمانی' ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو اس پر قوانین خداوندی کے سوا کسی کی پابندی نہ ہو۔ اور اس طرح ہر فرد معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشو و نما ہوتی چلی جائے تا کہ وہ اس کے آنے والی زندگی کی سرفرازیوں سے بہریاب ہوتا ہوا اپنی ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے۔

14۔ قرآنی نظام میں وسائل رزق اللہ کی ملکیت ہوتے ہیں اور انسانوں کے پاس بطور امانت ہوتے ہیں اس لئے ان پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ معاشرے میں ہر فرد پر محنت کرنا لازمی ہوتا ہے سوائے کمزوروں' ضعیفوں اور معذوروں کے' اور حکومت ہر محنت کش کی اجرت جس سے اس کی بنیادی ضروریات زندگی باآسانی پوری ہو جائیں یقینی بناتی ہے اور کسی کی محنت کا استحصال نہیں ہوتا۔

15۔ قرآنی نظام میں لوگ اپنا زائد از ضرورت مال و دولت مفاد عامہ کے لئے کھلا رکھتے ہیں تا کہ حکومت اسے ایسے منصوبوں پر صرف کر سکے جو ملک و قوم کو حقیقی ترقی و خوشحالی کا باعث بنیں اور ان لوگوں کی کفالت بھی کر سکے جو معذور' ضعیف اور بے سہارا ہوں۔ اس نظام میں سودی کاروبار کی جگہ عطیات' قرضہ حسنہ اور منفعت انسانی کے کلچر کو فروغ دیا جاتا ہے۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ لین دین دو طرفہ تعلقات کی بنیاد پر طے پاتے ہیں۔

16۔ قرآنی نظام افراد کی تعلیم و تربیت اس نہج پر کرتا ہے کہ جس سے ان میں جذبہ مسابقت حسد اور دشمنی کی بجائے باہمی رفاقت اور ربط و تعاون کا ذریعہ بن جاتا ہے لوگ خدمت کو فرض منصبی سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں۔

17۔ طلوع اسلام کی جدوجہد پوری امت مسلمہ کی جدوجہد ہے اس کے نزدیک ہر شخص قابل احترام ہے جو انسانی مفاد کے لئے کوشاں ہے اور ہر وہ عمل قابل قدر ہے جو ملک کی سلامتی اور خوشحالی کا ضامن ہے۔

18۔ جو حضرات طلوع اسلام کے ان اغراض و مقاصد سے متفق ہوتے ہیں وہ مقامی طور پر اس فکر کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں' ان کی اس تنظیمی کوشش کا نام بزم طلوع اسلام ہے۔

19۔ بزم طلوع اسلام کے اراکین سے نہ کوئی نیا عقیدہ منوایا جاتا ہے' نہ احکام خداوندی اور سنت رسولؐ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت طلب کی جاتی ہے۔ نہ وہ کسی کو اپنا پیر و مرشد سمجھتے ہیں اور نہ میر و مطاع۔

20۔ طلوع اسلام جو کچھ پیش کرتا ہے اس میں نہ کوئی راز ہوتا ہے' نہ پردہ نہ ہی کسی قسم کی جلب و منفعت' یہ قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھنے کی انسانی کوشش ہے اس میں سہو بھی ہو سکتا ہے۔ اور خطا بھی' جو شخص ہمیں ہماری غلطی پر متنبہ کرتا ہے۔ ہم اس کے شکر گزار ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اپنی بات کی تائید میں قران کریم کی سند رکھتا ہو۔

21۔ طلوع اسلام کے لٹریچر کی نشر و اشاعت طلوع اسلام ٹرسٹ (لاہور) کرتا ہے۔ جو کہ حکومت پاکستان کا رجسٹرڈ ادارہ ہے۔

22۔ طلوع اسلام کا نقیب " ماہنامہ طلوع اسلام " ہے جس کا اجراء 1938ء میں حضرت علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا تھا یہ مجلّہ گذشتہ پچاس سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

☆ طلوع اسلام کلام اقبال کی ایک نظم کا عنوان ہے۔

عزیزان گرامی قدر

آپ نے طلوع اسلام کا تعارف اور اغراض و مقاصد مختصر ملاحظہ فرمائے طلوع اسلام کے متعلق آپ نے بہت کچھ سن رکھا ہو گا لیکن جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے وہ نہیں سنا ہو گا۔ اس کی ایک خاص وجہ ہے ہمیں یقین ہے کہ جو لوگ دیانتداری سے تحقیق کرنا چاہیں گے۔ ان پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ طلوع اسلام کے بارے میں جو رائے بھی اختیار کرنا چاہیں اس کا آپ کو حق حاصل ہے۔ ہم نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ حقیقت صدق و عدل کے تمام تقاضوں کے ساتھ واضع ہو جائے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ ایک مسلمان کو بلا تحقیق کوئی بھی بات قبول نہیں کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ قیامت کے روز ہر ایک کو اپنے اعمال کا تن تنہا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

طلوع اسلام کے اغراض و مقاصد روز روشن کی طرح عیاں ہیں ان کے علاوہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی منسوب کیا جاتا ہے وہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضورؐ سر بسجود دعا گو ہیں کہ وہ اپنے بے پایاں کرم سے اس جھوٹے پروپیگنڈے میں ملوث تمام حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی رہنمائی صراط مستقیم کی طرف کر دے۔ اور طلوع اسلام کو ہر شر (جہالت' افواہ' وسوسہ) سے محفوظ رکھے۔ ہر سنجیدہ اور سلیم الفطرت شخص کی طرح ہم بھی معاشرے کی روز افزوں بگڑتی صورت حال پر متفکر اور پریشان ہیں ہمارے سامنے بھی یہ تلخ حقیقت ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن کر ابھرتی ہے کہ امت رسول ہاشمی اس وقت غربت' جہالت اور ذلت کے سمندر کی جن اتھاہ گہرائیوں میں غرقاب ہے اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن ہے؟ اس ضمن میں ہماری حکمت عملی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک افراد معاشرہ کے دل و دماغ میں صحیح انقلاب پیدا نہیں ہو گا اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات ممکن نہیں۔ اقبالؒ کے الفاظ میں:

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

یاد رکھئے

صحیح انقلاب صحیح لٹریچر سے پیدا ہوتا ہے۔ طلوع اسلام نے ایک انقلاب آفرین لٹریچر تصنیف کیا ہے جس کا مطالعہ سب کے لئے مفید رہے گا۔

شکریہ

***

14 اگست 1997ء

پچاس سالہ جشن آزادی کے سلسلے میں ادارہ طلوع اسلام کا خصوصی اجتماع 14 اگست 1997ء کو صبح ساڑھے نو بجے 25 بی گلبرگ 2 میں منعقد ہو گا۔

احباب سے جوق در جوق تشریف لا کر جلسے کی رونق بڑھانے کی خصوصی درخواست ہے باہر سے آنے والے حضرات اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دے کر ممنون فرمائیں۔ کنونشن حسب سابق اکتوبر 1997ء میں ہو گی۔

چیئر مین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

یہ نصف صدی کا قصہ ہے
دو چار برس کی بات نہیں

تحریک پاکستان کی تائید اور حمایت میں طلوع اسلام کی داستان جہاد' سینکڑوں نہیں' ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہزاروں صفحات ہماری زندگی کی مقدس ترین آرزوؤں کے ترجمان ہیں اور ان تحریروں کا ایک ایک لفظ خون جگر سے لکھا گیا۔ ہمیں فخر ہے کہ اس راہ میں ہم نہ تو کسی کی اندھی تقلید کے قائل تھے اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی رضا جوئی ہمارا مقصود۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت اس حقیقت پر یقین رکھتے تھے کہ جہاں تک احیائے دین کی مقدس آرزوؤں کا تعلق ہے وہ ایک جیتے جاگتے اور محسوس و مشہود نظام زندگی کے پیکروں میں ہی تکمیل پا سکتی ہیں اور ایک نظام حیات معاشرہ یا مملکت کے قیام کے لئے ایک خطہ زمین کا حصول ناگزیر ہے۔

بعض لوگ شاید اس خود فریبی میں مبتلا رہے ہوں (اور اب بھی ہوں) کہ اس خطہ زمین کے حصول سے تحریک پاکستان کا مقصد پورا ہو گیا لیکن ہمارے نزدیک معاملہ اس سے کہیں آگے تھا اور یہ اگلی منزل (خطہ زمین کے حصول سے بھی) کہیں زیادہ اہم تھی۔ ہمارے نزدیک اگر اس سرزمین پر نظام خداوندی کا آفتاب جلوہ بار نہیں ہوتا' اگر یہ مملکت اپنے نشوو نما دینے والے کے نور سے جگمگا نہیں اٹھتی اور اگر انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے بجائے یہاں خدائی قوانین کارفرمائی کا سرچشمہ قرار نہیں پاتے تو جس مقصد کے لئے اس خطہ زمین کو حاصل کیا گیا تھا وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ تھی کہ حصول پاکستان کے بعد جب نئی منزل ہمارے سامنے آئی تو ہم نے اس منزل پر ارباب اقتدار کے اٹھتے ہوئے ہر قدم کا بنظر جائزہ لیا اور جہاں کہیں ہمیں یہ نظر آیا کہ تحریک پاکستان کے ارفع و اعلیٰ مقاصد کے داغدار ہونے کا خطرہ لاحق ہے ہم نے پوری قوت سے اس کا محاسبہ کیا۔ یہ محاسبہ اور مواخذہ اس قسم کی تخریبی اور انتقامی ذہنیت سے قطعاً" پاک تھا جو تحریک پاکستان کے شکست خوردہ مخالفین' تحریک پاکستان کے کارفرماؤں کے خلاف' اپنی نفسیاتی کشمکش کی بنا پر بروئے کار لا رہے تھے۔ اس لئے ہم نے جو کچھ کہا جذباتی روش سے بالا تر رہ کر کہا اور جن خرابیوں کی نشاندہی کی وہ علیٰ وجہ البصیرت کی۔ ہمیں بخوبی احساس تھا کہ جس فتح عظیم کی تاریخ میں ہمارا خون جگر شامل ہے اس کی عظمت کو قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے اس لئے ہم جو کچھ ان کالموں میں بروئے تحریر لاتے رہے اس کے ایک ایک لفظ میں ہمیں پوری پوری ذمہ داری ملحوظ رکھنی پڑی اور ہر ممکن احتیاط سے کام لیا گیا۔ بالخصوص یہ ذمہ داری کہ ہمارے قلم کی ہلکی سی جنبش بھی ایسی نہ ہو جس سے اس سرزمین کے استحکام

پر خفیف سا بھی اثر پڑے۔

قوموں کی زندگی میں ایام رفتہ کا احتساب ایک خاص افادیت رکھتا ہے اقبالؒ کے الفاظ میں

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

مملکت پاکستان کی زندگی کے گذشتہ سالوں میں طلوع اسلام نے اس نقطہ نظر کے تحت اپنے کالموں میں جو کچھ لکھا اس کا سلسلہ گذشتہ 50 سال کی مسلسل اشاعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ تحریک پاکستان کے کسی مخالف کی انتقامی اور انتشار پسندانہ تنقید نہیں' بلکہ اس تحریک کے مخلص ترین رفیق سفر کے فریضہ رفاقت کی پکار ہے۔ یہاں ہم اس سلسلہ تحریر کا جستہ جستہ ملخص اس مقصد کے تحت منظر اشاعت پر لا رہے ہیں کہ واقعات کی رفتار میں گزرے ہوئے ایام کی کچھ یادیں از سر نو تازہ ہو جائیں۔

تازہ خواہی **داشتن** گر **داغہائے** سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصہ پارینہ را

طلوع اسلام کے دور جدید کا آغاز (جنوری - فروری 1940ء کے مشترکہ شمارہ سے) آزادی اور استقلال کی فضا میں ہوا۔ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت نے ابھی اپنی عمر کی پہلی ششماہی بمشکل پوری کی تھی۔ اپنی اس مختصر اور ننھی سی عمر میں ہی اسے پے درپے کس قدر زخم کھانے پڑے۔ اس کا سفینہ حیات کیسی تند و تیز یورشوں کی زد میں تھا اور اقتدار کے نئے نئے نشے سے سرشار امراء ووزراء اپنی نازک ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو کر کن سرمستیوں میں کھو گئے تھے۔ یہ سارے مناظر اپنی دل دوز اور جگر سوز کیفیتوں میں طلوع اسلام کے سامنے تھے۔ اس کے صفحات لرزتے ہوئے دل کے ترجمان اور خون کے آنسوؤں سے تربتر تھے۔ اپنے فریضہ ملی کے پیش نظر ہمیں تلخ نوائی سے بھی کام لینا پڑا۔

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں' صاحب ساز کا لہو

چنانچہ دور جدید کے اس پہلے شمارے کا افتتاح عزم صمیم سے ہوا کہ

وقت آن است کہ آئین دگر تازہ **کنیم**
لوح دل پاک بشوئیم و زسرتازہ **کنیم**

پھر اقبالؒ کے الفاظ میں دعا اور حضور رسالت مآبؐ میں شوق نیاز کی وارفتگی شامل تھی۔ اس شمارہ کا انتساب "شہدائے کشمیر کے مقدس خون" سے تھا۔ اور ازاں بعد اپنی ملی آزادی کے اہم گوشوں کی نقاب کشائی کے بعد طلوع اسلام نے زخم خوردہ ملت کے حضور میں ان زخموں کی داستان حسب ذیل الفاظ میں پیش کی۔

یوان حکومت میں مسجد کیوں نہیں؟

. ہایں ہمہ دفاتر اور متعلقین دفاتر کی روز مرہ کی ضروریات کے لئے مناسب انتظامات کرنے ہی پڑے۔ دفاتر کے لئے کچھ نہ کچھ عمارات بھی بنوانی پڑیں فرنیچر اور دیگر سامان و یراق کچھ مستعار لیا اور کچھ خریدا گیا۔ عملہ کی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کرنے پڑے۔ دفاتر میں عملہ کے لئے لنچ روم' موٹروں کے گیراج' متعلقین دفاتر کی ضروریات کے لئے ہسپتال' اسکول' بڑے بڑے حکام کے لئے کوٹھیاں' بنگلے کسی نہ کسی طرح مہیا کیے ہی گئے۔ ان سب چیزوں کی ضرورت محسوس کی گئی لیکن اس اسلامی سلطنت میں اگر کسی چیز کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تو وہ مسجد تھی۔ دفاتر کے عملہ میں سے جو "قدامت پرست" اس "زمانہ تہذیب و تمدن" میں ہنوز عہد کہن کی "رسم نماز" کی پابندی ضروری سمجھتے تھے انہوں نے کسی کونے اور گوشے میں اپنے لئے سجدہ گاہ تجویز کر لی' جنہیں ایسی جگہ میسر نہ آئی وہ کسی درخت کے سائے میں جا کھڑے ہوئے۔

آپ ظہر کی نماز کے وقت' دفاتر کی ان عالی شان عمارات میں جا نکلئے اور ان کے درخشندہ پس منظر میں' نمازیوں کے اجتماع کو دیکھئے تو فرط ندامت سے آپ کی آنکھیں زمین میں گڑ جائیں گی آپ دیکھیں گے کہ کسی درخت کے سائے یا دیوار کی اوٹ میں' چند پتھروں سے ایک احاطہ کی نشان دہی کر لی گئی ہے اور اس احاطہ کے اندر' فرش خاک پر' چند بوسیدہ چٹائیاں بچھ رہی ہیں اور ان پر یہ متعلقین مملکت خداداد پاکستان' اپنے رب کے حضور' رکوع و سجود میں مصروف ہیں۔ جن کی پیشانیوں کی خاک اور کپڑوں سے لپٹا ہوا گرد و غبار' سنگ مرمر پر بچھے ہوئے ان قالینوں کی یاد دلا رہا ہے جنہیں ان کے جوتے ابھی ابھی مسل کر آئے ہیں۔ اس شان و شوکت اور زک و احتشام کو دیکھئے اور پھر اس بے سرو سامانی پر نگاہ ڈالئے۔ اور اس کے بعد پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے۔

(طلوع اسلام ۔مارچ 1948ء صفحہ 23-22)

ی اشاعت میں "مجلس دستور ساز کے ارکان سے" کے زیر عنوان طلوع اسلام نے پہلے کار فرمایان ملک پر حصول پاکستان کا مقصد واضح کیا اور اسلامی نظام کے نفاذ کی ناگزیری واضح کرتے ہوئے ان کارفرماؤں کے اس طبقہ کی نشان دہی کی جو تمام مواعید کو پس پشت ڈال کر اسلامی دستور سے گریز کی راہیں اختیار کر رہا تھا اور سیکولرازم کی حمایت میں مکروہ سازشیں بروئے کار لانا چاہتا تھا۔ ان ممتاز عناصر کے چہروں سے دل فریب نقاب لٹتے ہوئے اس نے لکھا۔

اسلامی نظام سے روگردانی

اول الذکر گروہ سے جو "ایماندار بے ایمانوں" پر مشتمل ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظریں جلوہ دانش فرنگ نے خیرہ کر رکھی ہیں اور جن کی نگاہوں میں کوئی ایسی چیز جچ نہیں سکتی جس پر لنڈن یا ماسکو کی مہر ثبت نہ ہو۔ ان کے نزدیک کوئی ایسا نظام قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ جو مغربی مادہ پرستی کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو۔

دوسرا گروہ وہ ہے جسے ہم "بے ایمان ایماندار" کہہ سکتے ہیں ..... یہ گروہ یا تو بزدل ہے کہ اپنے دلی

معتقدات کے اظہار سے ڈرتا ہے' یا فریب کار کہ اپنے موجودہ دنیاوی مراتب کو برقرار رکھنے کے لئے وہ بات کہتا ہے جس میں اسے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی امید ہو سکتی ہے.... اس بنا پر ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام و قرآن سے ان لوگوں کی والہانہ شیفتگی ایک فریب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے عوام کی نازک رگ کو پہچان لیا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ عوام کے ذہن اس چیز کو سننے اور برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جو ان کے قلوب کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے.... ان لوگوں سے ہم گزارش کریں گے کہ وہ قوم سے مذاق کرنا چھوڑ دیں۔ ان کی قیادت کے ایوان ریت کے ستونوں پر استوار نہیں رہ سکتے۔ اس لئے جس قدر جلد وہ اس فریب کاری' مکر سازی اور منافقت کو ترک دیں بہتر ہے۔ (ایضاً")

مملکت پاکستان کی زندگی میں طلوع اسلام نے اسی نقطہ نظر کے تحت اپنے کالموں میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس تحریک کے مخلص ترین رفیق سفر کے فریضہ رفاقت کی ایک پکار ہے۔ آیئے اس سلسلہ تحریر کا جستہ جستہ ملخص ارباب اقتدار کو دیئے گئے مشوروں اور حالات و واقعات کی رفتار میں گزرے ہوئے ایام کی کچھ یادیں از سرنو تازہ کریں۔

اخبارات ہوں یا رسائل' وہ بالعموم ہنگامی حالات سے بحث کرتے ہیں' اس لئے ان کے مشمولات کی زندگی بھی ہنگامی اور عارضی ہوتی ہے۔ مرور زمانہ سے ان کے نقوش مدھم پڑتے جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد وہ مٹ ہی جاتے ہیں۔ اس طرح وہ جرائد اور مجلات ماضی کی تاریخ بن جائیں تو بن جائیں قوم کے حال اور مستقبل سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔

طلوع اسلام بھی خارجی حوادث اور ہنگامی حالات سے بحث کرتا ہے لیکن وہ ان کا جائزہ قرآن کریم کی روشنی میں لیتا ہے اور پیش آمدہ مسائل کا حل بھی اسی کی راہنمائی میں پیش کرتا ہے۔ اس لئے اس کی مشمولات پر مرور زمانہ اثر انداز نہیں ہوتا۔ ان کی حیثیت مستقل ہوتی ہے جو ہر زمانے میں صحیح مشورہ دے سکتے ہیں۔ اس کی یہ مستقل حیثیت ہے جس کی بنا پر صورت یہ ہے کہ آپ 1938ء سے لے کر (جب اس کی زندگی کا آغاز ہوا تھا) حالیہ اشاعت تک کے پرچوں کے جائزہ لیجئے ان میں آپ کو کہیں تضاد نظر نہیں آئے گا۔ اس نے جو بات 1938ء میں کہی تھی' وہی بات آج بھی کہہ رہا ہو گا۔ اس اعتبار سے طلوع اسلام' کبھی بھی عہد پارینہ کی داستان نہیں بنے گا۔ یہ ہمیشہ زندہ اور تازہ نظر آئے گا۔ بنابریں' اگر اس کی سابقہ اشاعتوں میں سے کچھ اقتباسات یا مضامین دوبارہ پیش کئے جائیں گے تو وہ ماضی کی تاریخ نہیں ہو گی۔ ان کا **انطباق** حال کے مسائل پر بھی یکساں ہو گا۔ یہ وجہ ہے جو ہم اس کے سابقہ مشمولات کو عندالضرورت دہراتے بھی رہتے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس کی سابقہ تاریخ کے اہم مشمولات کو زیر نظر جائزہ میں پیش قارئین کیا جا رہا ہے۔ ویسے بھی' اس کے دور پاکستان کے پچاس سال کے عرصہ میں ہزار ہا نئے قارئین کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ان کے لئے یہ مشمولات ویسے بھی نئے اور تازہ ہوں گے۔ اور قدیم قارئین کے لئے بادہ شبینہ کی یادھانی۔

اب دیکھئے اس کے ماضی کے احوال و ظروف کے چند اہم نقوش' جنہیں 1972ء میں نمایاں کیا گیا تھا۔

ارباب حکومت کے نام

طلوع اسلام نے جنوری' فروری 1948ء کے شمارہ (یعنی دور پاکستان کی اولین اشاعت) میں حکام پاکستان

بیداری کا پیغام دیتے ہوئے لکھا۔
"انگریز چلا گیا لیکن اس کے نظام حکومت نے تمہارے قلب و دماغ کو جن سانچوں میں ڈھال دیا تھا تم نے انہیں بدستور قائم رکھا ہے بلکہ وہ برائیاں جو پہلے پھر بھی کسی حد تک انگریز کے خوف یا شرم سے دبی دبی سی رہتی تھیں، ابھر اور نکھر کر اوپر آ گئیں۔ خارجی دنیا میں پوری کی پوری بساط سیاست و حکومت بدل گئی لیکن تمہارے قلب و نگاہ کی دنیا میں قطعاً" کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہی اپنوں سے بے گانگی و مغائرت، وہی مصنوعی رعب و داب، وہی خوشامد پرستانہ مسلک، وہی فریب کارانہ مشرب، وہی حیلہ جوئی اور کامچوری، وہی نالائقی اور نا اہلی، وہی خیانت و بد دیانتی وہی اعزہ پروری و جنبہ داری، وہی ظلم و استبداد، وہی جور و ستم، کوئی داد خواہ نہیں جو تمہارے ہاتھوں نالاں نہ ہو۔ کوئی ستم رسیدہ نہیں جو تمہاری نازیبائی سلوک کا شکوہ سنج نہیں.....
یاد رکھو! اگر تم نے خود اپنے آپ کو نہ بدلا تو خدا کا نہ بدلنے والا قانون تمہیں بدل دے گا اور اس کا طریقہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں تختہ الٹ جایا کرتا ہے۔"

داعیان ملت سے

اس کے بعد اس نے داعیان قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ۔
- بھک سے اڑ جانے والے جذبات سے الگ ہو کر، ٹھنڈے دل سے تمام حالات کا جائزہ لیا جائے اور مختلف اسباب و علل کا صحیح صحیح تجزیہ کیا جائے۔ جو جو غلطیاں ہم سے ہوئی ہیں ان کا کشادہ ظرفی سے اعتراف کیا جائے اور اس طرح اسے آئندہ اصلاح کا ذریعہ بنایا جائے۔
- اس خطہ ارض کے تحفظ و استحکام کا پورا پورا سامان کیا جائے جسے اللہ نے اپنی ذرہ نوازیوں کے صدقہ ہماری وراثت میں دے دیا ہے اور جس میں ہمیں ایسی امکانی قدرت حاصل ہوئی ہے کہ ہم چاہیں تو یہاں قرآنی تصورات کے مطابق اپنی دنیا کی تشکیل کر لیں۔
- منافقین کے اس طائفہ کو جو کسی نہ کسی طرح تپ دق کے جراثیم کی طرح ہماری ہڈیوں کے گودے کے اندر تک پہنچ چکا ہے اور اب **ناصحین** مشفق کے لباس میں دشمن کی سازشوں کو کامیاب بنانے میں مصروف ہے، جلد از جلد بے نقاب کر کے اپنوں سے الگ کیا جائے۔
- جو نالائق اور بد دیانت گروہ حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسانید اقتدار پر متمکن ہو چکا ہے اسے اس کی صحیح قدر و قیمت کا آئینہ دکھا کر اس کے اصلی مقام تک لوٹا دینے کا انتظام کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی نوجوان طبقہ کی تطہیر فکر اور تربیت قلب اس انداز سے کی جائے کہ وہ حکومت کے بار عظیم کے اہل ہو جائیں۔
- گزشتہ حوادث و نوازل نے قوم کی اقتصادی حالت کو جس درجہ پست کر دیا ہے اس کا صحیح اندازہ کر کے اس کو پورا کرنے کے اسباب و ذرائع پر غور کیا جائے۔
- اس انقلاب کو جو اس وقت ضمیر عوام میں پہلو بدل رہا ہے صحیح خطوط پر **متشکل** کر کے ایسی صورت پیدا کی جائے کہ یہ انقلابی روح، صحیح قیادت اور متعین منزل کے فقدان سے، تعمیری نتائج مرتب کرنے کے

بجائے مزید تخریب و اختلال کا موجب نہ بن جائے اس کے لئے عوام کے قلب و نگاہ کی تربیت منزل مقصود کا واضح اور غیر مبہم تعین اور اس تک پہنچانے والے صراط مستقیم کی روشن نشاندہی کی جائے۔

7۔ ارباب اقتدار کو بتایا جائے کہ وہ اپنا نصب العین' جذبہ حکومت کی تسکین کی بجائے فریضہ خدمت کی ادائیگی قرار دیں اور عوام کو سمجھایا جائے کہ وہ اپنے حقوق کے مطالبہ کے ساتھ اس اہم حقیقت کو بھی فراموش نہ کریں کہ ان کے صرف حقوق ہی نہیں بلکہ کچھ فرائض بھی ہیں' اور حقوق و مواجب کا مستحق بھی وہی ہوتا ہے جو اپنے فرائض کو بطریق احسن بجا لائے۔

8۔ جو خطرہ اس وقت سر پر منڈلا رہا ہے اس کی مدافعت کے لئے پوری کی پوری قوم کو تیار کیا جائے اس لئے کہ اگر یہ خطہ زمین ہی نہ رہا تو ہم نہ رہ سکیں گے۔

9۔ اور ان مساعی کا ماحصل یہ ہو کہ جس غرض کے لئے یہ زمین کا ٹکڑا ہم نے حاصل کیا ہے' وہ غرض بطریق انسب پوری ہو جائے۔ اور وہ غرض اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس خطہ زمین میں بسنے والا مسلمان تمام دنیا کی غیر فطری غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر فقط ایک اللہ کا محکوم ہو کر زندگی بسر کر سکے اور اس طرح پھر سے اس آئین کہن کو تازہ کر دے جسے چشم فلک نے ایک بار دیکھا اور اسے دوبارہ دیکھنے کے لئے آج تک سرگرداں ہے۔"

نظریہ قومیت

ہندوستان میں مسلمانوں کا مطالبہ آزادی اس دعویٰ پر مبنی تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بسنے والے مسلمان ایک الگ قوم کے افراد ہیں اور غیر مسلم دوسری قوم کے افراد۔ یہ دعویٰ اس مطالبہ کی تائید میں بطور ایک وکیلانہ حربہ کے استعمال نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک حقیقت نفس الامری پر مبنی تھا اور وہ حقیقت یہ تھی کہ اسلام نے تمام مدعیان ایمان کو' بلا امتیاز حدود مکانی ایک قوم قرار دیا ہے۔ یہ نظریہ قومیت دین اسلام میں مسلمہ اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے طلوع اسلام نے لکھا۔

" ہمیں اپنے عوام پر پورا اعتماد ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے دوران بھی اسلامی مطالبہ کے بہ دل حامی تھے' اور اب بھی ایک صحیح اسلامی معاشرے کا قیام دل سے چاہتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم نے ان کی تعلیم و تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی' نہ ہی اس تصور پاکستان کے زندہ رکھنے اور عام کرنے کا کوئی انتظام کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر اس تصور کو عام اور اس سے فضا کو اس طرح معمور کر دیا جائے کہ ہر شخص شعوری یا غیر شعوری طور پر اسے جذب کرتا جائے تو آج بھی اسلام کا رشتہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں ایک مستحکم وحدت اور یگانگت کا موجب اور مغربی پاکستان میں سندھی اور پنجابی کے امتیاز کو مٹا کر ملی برادری کا محکم ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہی وہ تصور ہے جو ہمارے اجتماعی ایمان کا مرکزی نقطہ ہے۔ اسی میں ہماری نجات و سعادت کا راز مضمر ہے۔ اسی سے پاکستان کا استحکام وابستہ ہے اور یہی ہمارے تمام دکھوں کا واحد علاج ہے۔ جن لوگوں نے پاکستان کو اس لئے حاصل کیا تھا کہ یہ اسلام کی تجربہ گاہ بن سکے ان کے کرنے کا کام یہی ہے کہ اس تصور کو زیادہ سے زیادہ حد تک عام کیا جائے۔ حقیقت میں یہ کام حکومت کے کرنے کا تھا لیکن حکومتیں آتی اور جاتی رہیں مگر اس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں

دی۔ " (طلوع اسلام بابت مئی 1957ء صفحہ 7)

نظریہ پاکستان

اسلامی نظریہ پاکستان کی اصطلاح کے اس قدر کثرت کے ساتھ استعمال ہونے کے باوجود آج تک یہ متعین نہیں کیا گیا کہ اس سے مراد کیا ہے۔ چنانچہ اب بھی یہ اصطلاح مبہم کی مبہم ہے۔ اس اصطلاح کی تفصیلات تو طول طویل ہیں لیکن اصولی طور پر اس کا مفہوم طلوع اسلام نے دو شقوں میں متعین کرتے ہوئے لکھا۔

1۔ " اسلام میں قومیت کا معیار ایمان کا اشتراک ہے نہ کہ نسل اور وطن کا اشتراک۔ اس معیار کے مطابق ایک ہی مملکت میں بسنے والے مسلمان اور غیر مسلم ایک قوم کے افراد نہیں ہو سکتے۔ غیر مسلم، مسلم قومیت کا جزو قرار نہیں پا سکتے۔ یہ اس بنیاد کی پہلی اینٹ تھی جس پر مطالبہ پاکستان کی عمارت استوار ہوئی تھی اور قرآنی نظام حیات کا اولین تصور۔

2۔ مملک کی آزادی اور پابندی کے حدود ان اصولوں کی رو سے متعین ہوں گے جو خدا کی کتاب (قرآن مجید) میں محفوظ ہیں اور جن میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہو سکتا۔ بالفاظ دیگر اسلامی مملکت، قرآنی احکام و اصول کی حکمرانی کی ایجنسی ہو گی۔"

دستور پاکستان

طلوع اسلام کے سامنے سوال یہ تھا کہ تشکیل پاکستان کے بعد سب سے پہلا قدم اسلامی دستور مملکت کی ترتیب و تدوین کا ہو گا۔ ضروری تھا کہ اس کے لئے ذہنوں کو ہموار کیا جائے اور اس کے راستے میں جو الجھاؤ اور پیچیدگیاں حائل ہونے والی ہیں انہیں رفتہ رفتہ صاف کر دیا جائے تاکہ جب اس نظام کی عملی تشکیل کا وقت آئے تو اس کی ترتیب میں دقت پیش نہ آئے۔ چنانچہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی بننے کے بعد اس نے اراکین مجلس آئین ساز کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

" پاکستان سر دست ایک قطعہ زمین ہے جس پر جس قسم کی عمارت ہم چاہیں تعمیر کی جا سکتی ہے۔ اس عمارت کا نقشہ مرتب کرنے اور سنگ بنیاد رکھنے کا کام آپ کو تفویض کیا گیا ہے۔

لہٰذا سوچئے کہ کس قدر اہم ہے آپ کا فریضہ اور کتنی عظیم القدر ہے آپ کی ذمہ داری۔ اس نقشہ کی ایک ٹیڑھی لکیر اور اس سنگ بنیاد کا ذرا سا غلط رخ ساری کی ساری عمارت کو کچھ سے کچھ بنا دے گا۔ اس لئے غور کیجئے کہ آپ کو کس قدر احتیاط اور کس درجہ بصیرت و فراست سے کام لینا ہے! آپ میں ایسے افراد بھی ہیں جن کے ذہن سوائے مغربی ایوانوں کے اور کسی عمارت کا نقشہ نہیں اور ایسے بھی جن کی نگاہیں بار بار ہندوستان کے بتکدوں کی طرف اٹھتی ہیں۔

لیکن، اسلام کا مطالبہ آپ سے کچھ اور ہے۔

وہ حریم پاکستان کی بنیادوں کو ان خطوط پر مستحکم کرنے کا تقاضا کرتا ہے جن کی ابتداء آج سے پانچ ہزار سال پیشتر خطہ حجاز کی بے برگ و گیاہ زمین پر، ملت حنیفہ کے موسس اعلیٰ حضرت خلیل اکبرؑ کے مقدس ہاتھوں سے

ہوئی اور جن کی تکمیل جناب **محمد رسول اللہ** کے دست مطہر سے انجام پائی۔ جو دنیا میں خدا کا پہلا گھر کہلایا اور ارتقائے شرف انسانیت کا **منتہٰی** ٹھہرا۔ اسلام اسی نمونے کی عمارت چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ تاسیس کا نہیں تجدید کا ہے وہ آپ سے کوئی نیا ضابطہ قوانین مرتب کرانا نہیں چاہتا۔ وہ صرف اس ضابطہ خداوندی کی تنفیذ چاہتا ہے جو مسلمان کے لئے قیامت تک ایک مکمل آئین زندگی اور دستور حیات ہے۔ اگر بایں نرسیدی تمام **بولہبی** است!

اوروں کے نزدیک آزادی سے مفہوم فقط اس قدر ہے کہ وہ اپنے لئے آپ قانون بنا سکیں۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک آزادی سے صرف یہ مفہوم ہے کہ وہ اپنے خدا کے قانون کو رائج کر سکیں۔ اس لئے اگر آپ نے اس قانون ابدی کے علاوہ کوئی اور قانون منتخب کیا تو مسلمان کے نزدیک یہ آزادی نہیں ہو گی' غلامی کی غلامی رہے گی۔ اور مسلمان کا سیاسی شعور اب اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ وہ غلامی کی لعنتی زندگی سے رستگاری حاصل کر سکے خواہ وہ غلامی اپنوں ہی کی کیوں نہ ہو۔ قوم کیا کرے گی اسے چھوڑو۔ لیکن آپ کے ساتھ کیا ہو گا اسے سوچو اور اس کے لئے خدا کی یہ وعید ہر وقت اپنے سامنے رکھو جو اس قسم کے لوگوں کے حق میں آئی ہے جہاں کہا گیا ہے کہ۔ **الم ترالی الذین .. وبئس القرار** (14/28-29) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی عطا فرمودہ نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اس طرح اپنی قوم کو امن و تسکین اور سرفرازی و سر بلندی کی جنت کی طرف لے جانے کے بجائے تباہی اور بربادی کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی جہنم میں جو ٹھہرنے کے لئے نہایت بری جگہ ہے۔" (جنوری' فروری 1948ء)

فرد اور ملت کے روابط

اسلامی نظام کی بنیادی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے طلوع اسلام نے فروری 1953ء کی اشاعت میں لکھا۔

آج کل " اسلامی نظام" کا عام چرچا ہو رہا ہے اور پاکستان کے دستور کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ مختلف سمتوں سے کوشش ہو رہی ہے کہ یہ دستور ان کے منشا یا ان کے تصورات کے مطابق مرتب ہو۔ لیکن آپ جس قسم کا جی چاہے دستور بنا لیجئے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر رہے گی کہ اسلامی نظام کی عملی تشکیل کی صورت صرف اسلامی تنظیم ہے۔ جب تک آپ پوری کی پوری ملت کی تنظیم ان خطوط پر نہیں کریں گے۔ اسلامی نظام کبھی صورت پذیر نہیں ہو سکے گا۔ اسلامی نظام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ۔۔ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

جب تک افراد ملت' اس نظام میں برابر کے شریک نہیں ہوں گے یہاں اسلامی نظام نہیں ہو گا۔ اس نظام میں مرکز ملت اور افراد ملت میں غیر منقطع واسطہ ہونا ضروری ہے۔ اس میں' ہر فرد کی آواز مرکز تک پہنچنی چاہیے اور مرکز کے فیصلے افراد کے ہاتھوں نفاذ پذیر ہونے چاہیں۔ مرکز اور افراد کے درمیان کوئی حاجب اور دربان نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے جب حکم دیا تھا کہ مصر کے گورنر نے اپنے مکان کے آگے جو ڈیوڑھی بنا لی ہے' اسے مسمار کر دیا جائے تو وہ حکم اسی حقیقت کی ترجمانی کر رہا تھا۔ وہی نظام' نظام خداوندی کہلانے کے مستحق ہو سکتا ہے جس میں مرکز ہر فرد کی پکار سنے اور اس کا جواب دے۔ جس نظام میں افراد ملت اور مرکز کے

درمیان دیواریں کھڑی ہو جائیں وہ نظام کبھی نظام خداوندی نہیں کہلا سکتا۔"

تھیاکریسی کے خلاف

قرار داد مقاصد پاس ہونے پر طلوع اسلام نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی جولائی 1953ء کی اشاعت میں مشورہ دیا کہ۔

" ..... طلوع اسلام متعدد بار لکھ چکا ہے کہ مجلس آئین ساز نے قرار داد مقاصد پاس کر کے اپنے لئے اور اس سے آگے بڑھ کر قوم اور ملک کے لئے ایک مستقل فتنے کا باب کھول دیا ہے۔ قرار داد مقاصد سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ فلاں قانون کتاب و سنت یا شریعت اسلامی کے مطابق ہے یا نہیں۔ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا تھا کہ اس کے لئے ارباب شریعت یعنی مولوی صاحبان کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ یہی وہ ضرورت تھی جس کے لئے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ میں یہ سفارش کی گئی کہ مجلس متقنہ کے ساتھ علماء کا ایک بورڈ بھی ہونا چاہیے جو یہ فتوی دیا کرے کہ زیر نظر مسئلہ میں شریعت کا کیا ارشاد ہے؟ گویا عملاً" قانون سازی اور قانون کی تعبیر کے پورے اختیارات مولوی صاحبان کے ہاتھوں میں دے دیئے جائیں۔ ہم اس حقیقت کا بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ اگر حکومت کے کاروبار میں ملا نے موثر اقتدار حاصل کر لیا تو تھوڑے عرصہ میں پاکستان کی حالت افغانستان سے بھی بدتر ہو جائے گی۔ دوسری طرف ہم یہ بھی بار بار کہہ چکے ہیں کہ جس قسم کا مذہب ملا پیش کر رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ملک کا نوجوان طبقہ سرے سے مذہب ہی سے متنفر ہو جائے گا اور یہ کہہ اٹھے گا کہ مذہب ایک نجی مسئلہ ہے۔ اسے سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔ اس خطرہ کے لئے ہمارے سامنے ترکی کی مثال موجود ہے۔ وہاں کے ارباب اقتدار کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ مذہب کو مملکت سے الگ کر دیا جائے۔ لیکن جس قسم کا مذہب علماء کی طرف سے پیش کیا جاتا تھا' وہ قطعاً" اس قابل نہیں تھا کہ مملکت کے کاروبار کو ایک دن کے لئے بھی چلنے دے۔ وہاں کے ارباب بست کشاد نے تنگ آ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ ایسے مذہب کو حجروں اور خانقاہوں تک محدود رہنا چاہیے۔ مملکت کا کاروبار مملکتی طریقوں پر سرانجام پائے گا۔"

غیر مسلموں کی حیثیت

مجلس قانون ساز میں غیر مسلموں کی شرکت اور مشاورت کے متعلق طلوع اسلام نے حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے لکھا۔

" ہم اس حقیقت کو پھر دہرائے دیتے ہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کو آئین و قانون کے کاموں میں کبھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے آئین کے معاملہ میں اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔" (دسمبر 1954ء)

اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے طلوع اسلام نے لکھا۔

" اسلامی مملکت کی مجلس قوانین سازی کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قرآنی اصولوں کی حدود کے اندر مملکت کے تقاضوں کے مطابق قوانین وضع کرے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ (یعنی غیر مسلم) قرآنی اصولوں کی صداقت کے

قائل ہی نہ ہوں انہیں ان اصولوں کے مطابق قوانین سازی کے کام میں شریک کرنا قرآنی اصولوں کا مضحکہ اڑانا اور خود ان لوگوں کا منہ چڑانا ہے جو ان اصولوں کو مانتے ہیں.... ہمیں امید ہے کہ زیر تجویز کانسٹی ٹیوشن اس مسئلہ کو کماحقہ' اہمیت دے گااور اپنی سفارشات میں اس امر کی وضاحت کر دے گا کہ پاکستان کا آئین اسلامی آئیڈیالوجی پر مبنی ہے اس لئے جو لوگ اس آئیڈیالوجی کو نہیں مانتے وہ ان لوگوں کے ساتھ اصولی طور پر کس طرح شرکت کر سکتے ہیں جو اس آئیڈیالوجی کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔"

دستور پاکستان

دستور حیات کا انتخاب در حقیقت کسی قوم کے ارادوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں طلوع اسلام نے نہایت وضاحت سے فیصلہ کن انداز میں حکومت کو یاد دہانی کراتے ہوئے لکھا۔

" ..... مستقبل کا فیصلہ اس امر پر موقوف ہے کہ یہ اپنے لئے کس قسم کا دستور حیات تجویز کرتے ہیں۔ اس لئے کہ دستور حیات کا انتخاب در حقیقت کسی قوم کے ارادوں کا آئینہ ہوتا ہے۔ ایک دستور حیات وہ تھا جو انہیں ابدی حقیقتوں کی شکل میں دیا گیا اور جس پر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پاکباز رفقاءؓ کی جماعت نے عمل کر کے دنیا کے سامنے زندگی کا صحیح معیار پیش کر دیا۔ دوسرا دستور حیات وہ تھا جسے یہودیوں کے **صومعوں**۔ عیسائیت کی خانقاہوں اور مجوسیوں کے **آتشکدوں** کے اقنوم ثلاثہ نے مرتب کیااور ملوکیت' ملائیت اور پیر پرستی کے نگاہ فریب پردوں میں چھپا کر مسلمانوں کے قلب و دماغ پر مسلط کر دیا۔ یہ وہ دستور حیات ہے جو قرن اول کے بعد سے اس وقت تک جسد ملت سے زندگی کی حرارتوں کو سلب کرنے کا موجب بنا رہا ہے اور جسے رجعت پسند عناصر مذہب کے مقدس لباس میں پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس دستور کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنانا چاہتا ہے جسے **محمد رسول اللہ والذ ین معہ** نے تیار کیا تھا' اور اس سے وہ شہداء علی الناس (تمام نوع انسانی کے اعمال کے نگران) کے منصب جلیلہ پر فائز ہو گئے تھے یا اس دستور کو اختیار کرنا چاہتا ہے جو عجمی سازشوں کا وضع کردہ' ان کے عہد ملوکیت کی یادگار اور رجعت پسند عناصر کی خوئے مردہ پرستی کی تسکین کا موجب ہے اور جس نے اس قوم کو زندگی اور اس کی حرارتوں سے اس طرح محروم کر رکھا ہے۔ **کانہ لم یکن شیی منکورا**"

یہ سوال بڑا صاف اور نکھرا ہوا ہے اور اسی کے جواب پر پاکستان کے مسلمانوں کے مستقبل کا دارومدار ہے۔ اگر انہوں نے اس دستور کو اپنا ضابطہ حیات تجویز کر لیا جس کی بنیاد قرآن کی ابدی صداقتوں پر ہے تو انہیں ان کی چھینی ہوئی **عظمتیں** اور لٹی ہوئی ثروتیں پھر سے مل جائیں گی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ اقوام عالم کی امامت کے بھی شایان شان قرار پا جائیں۔" (فروری 1951ء)

اسلامی آئین کے اصول و مبانی

اسلامی آئین کی ترتیب کے سلسلہ میں طلوع اسلام نے' اس کے طریق کار کی تفصیلی طور پر نشاندہی کرتے ہوئے اپریل 1959ء کے شمارہ میں حکومت کو مشورہ دیا۔

1۔ " پاکستان کے لئے اسلامی آئین کا مرتب کر لینا کچھ مشکل نہیں، بشرطیکہ اس مسئلہ کو صحیح خطوط پر سمجھا جائے اور اس کے لئے صحیح راستے پر اقدامات کئے جائیں۔

2۔ اس کے متعلق یہ خیال دل سے نکال دیا جائے کہ (اسلامی آئین) ہمارے مذہبی پیشوا مرتب کریں گے اور اس کی ترتیب و تدوین میں ان کا عمل و دخل ناگزیر ہے۔ اگر ہم نے ایسا سمجھ لیا تو اسلامی آئین قیامت تک بھی مرتب نہیں ہو سکے گا۔

3۔ اسلامی آئین، قرآن کے غیر متبدل قوانین (مستقل اقدار) کے مطابق مملکت کا **منتہٰی** و مقصود متعین کرے گا اور اس کے حصول کے لئے حدود و شرائط کی نشاندہی کرے گا۔ ان حدود و شرائط کے اندر رہتے ہوئے، عملی اقدامات ملت کے باہمی مشورے سے طے ہوں گا۔

4۔ اس مقصد کے لئے ضرورت ہے کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو پاکستان کی آئیڈیالوجی اور اسلامی مملکت کے اصول و مبانی کے متعلق (فرقہ وارانہ اثرات سے بلند ہو کر) تحقیق کرے اور اس کی سفارشات کی روشنی میں آگے قدم اٹھایا جائے۔

5۔ ملک سے مذہبی فرقہ وارانہ تقسیم کو ختم کر کے، امت واحدہ کی تشکیل، مملکت کا فریضہ قرار پائے اور اسے **منتہٰی** تک بتدریج پہنچایا جائے۔ اس کا موثر اور کامیاب طریق یہ ہے کہ اپنے نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی پیدا کریں۔ جداگانہ مذہبی مدارس اور دارالعلوموں کو ختم کر کے، صحیح دینی تعلیم، مدرسوں اور کالجوں میں دی جائے اور اس کی بنیاد قرآن کریم اور اس کی روشنی میں اسوہ حسنہ نبی اکرمؐ کو قرار دیا جائے۔

مذہبی پیشواؤں کی معاش کا مسئلہ

6۔ ہمارے موجودہ ارباب مذہب کی روزی کا باعزت اور معقول انتظام کیا جائے اور انہیں اس قسم کے خیالات کے نشر و اشاعت کی اجازت قطعاً نہ دی جائے جن سے فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھے اور مذہبی گروہ بندی کی گرہیں مضبوط ہوتی جائیں۔"

طلوع اسلام نے اپنے اسی شمارے میں لکھا۔

اگر یہ تجربہ ناکام رہا تو.....

" آئین کا معاملہ بچوں کا کھیل نہیں۔ اس کا تعلق قوم کی پوری زندگی اور آنے والی نسلوں کے مستقبل سے ہے۔ نہ ہی یہ مذہبی مناظرہ ہے کہ اس میں لفظی گورکھ دھندوں سے اپنے **متبعین** کو خوش کر لیا جائے۔ یہ ایک ٹھوس تجربہ ہے جسے (تیرہ سو سال کے بعد) پہلی مرتبہ عمل میں لایا جا رہا ہے اور جس کی طرف ساری دنیا کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو دنیا اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ اسلام ایک ممکن العمل ضابطہ زندگی ہے جو آج بھی اپنے نتائج مرتب کر سکتا ہے۔ اگر یہ ناکام رہا تو (دنیا ہمارے متعلق جو رائے قائم کرے سو کرے) خود اسلام کے متعلق یہ سمجھا جائے گا کہ یہ کسی دور میں تو قابل عمل تھا لیکن اب اس میں یہ صلاحیت نہیں کہ یہ زمانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ اندریں حالات یہ مسئلہ سطحی جذبات کی رو سے طے کرنے کا

نہیں، کامل غور و فکر اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کا ہے۔"

آئین کے مسودات

وضع رہے کہ آئین سازی کے سلسلہ میں طلوع اسلام نے اتنا ہی نہیں کیا کہ ارباب حکومت اور مجالس دستور ساز کو ضروری مشورے دیئے۔ اس نے ہر آئین ساز اسمبلی کو اسلامی دستور پاکستان کے مکمل اصول و ضوابط مرتب کر کے دیئے اور انہیں ہزارہا کی تعداد میں ملک میں پھیلا دیا۔ اس نے موجودہ آئین ساز اسمبلی کے لئے اسی قسم کا آئین مرتب کر کے دے دیا ہے اور اس کی اشاعت بھی عام کی ہے۔ اس دستور کا کتابچہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے۔

مخلوط انتخاب

مخلوط انتخاب نظریہ پاکستان کی ضد ہے اور دو قومی نظریہ کے علی الرغم۔ ہمارے سربراہوں نے ایک طرف عملی طور پر اسے تسلیم کر لیا اور دوسری طرف وہ عوام کو یہ کہہ کر دھوکہ دیتے رہے کہ وہ قائد اعظمؒ کے وارث اور نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔ اس کھلی منافقت پر تنقید کرتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی نومبر 1955ء کی اشاعت میں لکھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ان ذہنوں کے متعلق کیا کہا جائے۔ جن میں مخلوط انتخاب کا یہ باطل افروز تصور پیدا ہوا۔ ان زبانوں کے متعلق کن الفاظ میں گفتگو کی جائے جنہوں نے اس اسلام سوز فتنے کو آگے پھیلایا' اور ان ہاتھوں کا ذکر کس انداز سے کیا جائے جو اس زہر آلود خنجر کو سینہ ملت میں پیوست کرنے کے لئے یوں بے تابانہ اٹھ رہے ہیں.... اگر دستور میں مخلوط انتخاب جیسے غیر اسلامی تصورات کو ٹھونس دیا گیا تو ہم واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ یہ روش زیادہ عرصہ تک نہیں چل سکے گی.... اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کے باوجود جس دستور کو آپ اسلامی کہہ کر مرتب کریں گے قوم اسے اسلامی سمجھ کر سر آنکھوں سے لگا لے گی تو یہ آپ کو بھول ہے۔"

وحدت ملت

ہندوستان میں مسلمانوں کا مطالبہ آزادی اس دعویٰ پر مبنی تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں بسنے والے مسلمان ایک الگ قوم کے افراد ہیں اور غیر مسلم دوسری قوم کے افراد یہ دعویٰ اس مطالبہ کی تائید میں بطور ایک وکیلانہ حربہ کے استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک حقیقت نفس الامری پر مبنی تھا اور وہ حقیقت (جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے) یہ تھی کہ اسلام نے تمام مدعیان ایمان کو بلا امتیاز حدود مکانی ایک قوم قرار دیا ہے۔ طلوع اسلام نے اس دعویٰ کی تائید میں قرآنی شہادت دیتے ہوئے ارباب حکومت کی توجہ دلاتے ہوئے لکھا۔

"وحدت ملت کے ضمن میں ایک نقطہ ایسا ہے جس کی طرف ارباب حکومت کی توجہ خاص طور پر دلانا ضروری ہے۔ ضروری ہی نہیں بلکہ اشد ضروری ہے۔ اس حقیقت کو ہم میں سے ہر شخص دن میں دس مرتبہ دہراتا ہے کہ اسلام نسب' نسل' قوم' وطن' رنگ' زبان کے امتیازات کو مٹا کر' معیار تکریم صرف جوہر ذاتی و

تقویٰ کو قرار دیتا ہے۔ یہ اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اور قرآن کی نص صریح۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں دورائے ہو نہیں سکتیں۔"

صوبائیت کی لعنت

طلوع اسلام نے حکومت پاکستان کو مشورہ دیتے ہوئے دسمبر 1948ء کی اشاعت میں تحریر کیا۔

" اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ پاکستان قائم ہو جائے تو بنیادی طور پر چند تبدیلیاں فوری کرنی پڑیں گی۔

1۔ تمام صوبوں کو توڑ کر ساری مملکت کو مرکزی نظام کے ماتحت لے آیئے۔ اس سے وہ طبقہ جو محض پارٹیوں کے زور پر برسراقتدار آگیا ہے اور اب شجر حکومت پر اکاس بیل کی طرح چھا رہا ہے (کہ بیل تو تروتازہ ہو رہی ہے اور درخت دن بدن سوکھتا جا رہا ہے) الگ ہو جائے گا اور ساتھ ہی اخراجات حکومت میں بڑی کفایت ہو جائے گی۔

2۔ مرکزی کابینہ کو وسیع کیجئے لیکن معیار انتخاب' یہ رجحان نہ قرار پائے کہ کس کے تعین سے کون سی پارٹی خوش ہو گی۔

3۔ ایک ایک منسٹر کے ساتھ کم از کم چار چار نوجوان تعلیم یافتہ صاحب دل و دماغ سیکرٹری ملحق کر دیجئے۔

4۔ فنی شعبوں کو محض منسٹروں تک ہی محدود نہ کیجئے پبلک میں سے صاحب ورک لوگوں پر مشتمل مجالس شوریٰ متعین کیجئے تاکہ تمام امور میں منسٹروں کو مشورہ دے سکیں۔

5۔ سمجھ لیجئے کہ ہم زمانہ جنگ سے گزر رہے ہیں اس لئے کام کی رفتار اسی نہج سے مقرر کیجئے۔

6۔ مرکز کے موجودہ افسروں کو بتدریج اضلاع میں تبدیل کر کے ان کی جگہ نئے افسر متعین کیجئے۔ اطلاعات کے مطابق یہاں پارٹی بازی اس قدر شدید اور محکم صورت اختیار کر چکی ہے کہ اگر کچھ وقت اور یہی صورت حال رہی تو حکومت کی مشینری خود' کارپردازان حکومت کے ہاتھوں سے تہس نہس ہو جائے گی۔

7۔ قوم پاکستان کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہے لیکن قوم کا اعتماد حاصل کرنے اور ان سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش اس وقت تک نہیں کی گئی۔ اس کی طرف فوری توجہ کیجئے۔

8۔ عسکری تربیت (ملٹری ٹریننگ) لازمی کر دیجئے "

1948ء میں حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ مرکزی حکومتوں کی ملازمتوں میں مشرقی اور مغربی پاکستان کی نیابت الگ الگ ہو اور تمام اسامیاں دونوں خطوں کے مسلمانوں میں نصف نصف بانٹ دی جائیں۔ چنانچہ صوبائی تقسیم کے اس شجر ملعونہ اور حکمت فرعونی کے اس ابلیسی کارنامہ پر طلوع اسلام نے تنقید کرتے ہوئے متنبہ کیا اور اگست 1948ء کی اشاعت میں لکھا۔

صوبوں کو ختم کر دیجئے

" یاد رکھئے ! ہماری محکم اور پائندہ حکومت اسی صورت میں قائم ہو سکے گی جب ہم ان صوبائی نسبتوں سے بلند ہو کر صرف اسلامی نسبت کو پیش نظر رکھیں اور کسی کو کبھی خیال تک بھی نہ گزرے کہ فلاں شعبہ میں ہماری

نمائندگی کس قدر ہے۔ صوبوں کی لکیریں محض نظم و نسق کی سہولت کی خاطر کھینچی گئی تھیں' نہ کہ ملک کے باشندوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے' اگر یہ لکیریں اس قسم کی تفریق کے خطوط بن رہی ہیں تو ان لکیروں کو جس قدر جلد مٹایا جا سکے اتنا ہی اچھا ہے تاکہ ۔۔۔ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے۔

ملت میں تفرقہ انگیزی کا بنیادی سبب صوبوں کا وجود ہے۔ صوبے ہمارے لیڈروں کی ہوس اقتدار اور حرص مناصب و مدارج کو بڑھانے کا موجب بنے ہیں۔ انگریزوں نے اپنے مفادات کی غرض سے ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا تھا۔"

فیڈرل حکومت کے خلاف

" فیڈرل انداز حکومت غیر اسلامی صوبائی عصبیت کو مضبوط بنانے کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔ یہ انداز اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے ... پاکستان میں فیڈرل انداز کی حکومت سے صوبائی قومیتیں آہستہ آہستہ مستند ہو جائیں گی اور اس چھوٹے خطہ زمین میں بھی مسلمانوں کی وحدت قائم نہ ہو سکے گی چہ جائیکہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں وحدت قائم ہو جائے جو اسلام کا منشاء ہے۔"

مشرق و مغرب میں کانفیڈریشن

محترم پرویز صاحبؒ نے 1953ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ وہاں کے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد موصوف نے جن حقائق کی نشاندہی اکتوبر 1953ء کے طلوع اسلام میں کی' وہ یہ تھی۔

" اب ہمارے خیال میں صورت حال ایسی پیدا ہو چکی ہے کہ وحدانی انداز کی حکومت بھی شاید کامیاب نہ ہو سکے۔ اس لئے اب ہماری تجویز یہ ہے کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو دو خود مختار وحدتیں تسلیم کر کے ان میں کانفیڈریسی پیدا کر دی جائے جس میں تراضی مابین سے مشترکہ مسائل اکٹھے رکھ لئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو مٹا کر پورے ملک میں ایک حکومت قائم کی جائے۔"

پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی اندرونی اور بیرونی سازشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے طلوع اسلام نے ملک کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کی کہ وہ اس ڈھونگ کو ایک بڑا فتنہ بننے سے پہلے کچل دیں۔ اس نے اپنی 15 نومبر۔ 1955ء کی ہفت وار اشاعت میں لکھا۔

تحریک پختونستان

" تحریک پختونستان کے سلسلہ میں بیرونی ممالک میں کیا کچھ کیا جا رہا ہے اور اس کے پردے میں پاکستان کے خلاف کس قدر زہر پھیلایا جا رہے' ہمیں معلوم نہیں کہ حکومت پاکستان نے اس زہر آلود پروپیگنڈہ کے ازالہ کے لئے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ کر رہی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمیں اب اس مسئلہ کو محض ایک مقامی مسئلہ سمجھ کر اس کی طرف سے بے اعتنائی نہیں برتنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ عالمگیر بھی ہے اور زمیں گیر بھی' لہٰذا اس کے انسداد کے لئے اسی قسم کی عالمگیر کوششوں کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں افغانستان نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے' وہ خود اس امر کی شہادت ہے کہ ڈاکٹر ارونگ شاہ نے جو کچھ ستمبر 1954ء میں کہا تھا وہ محض

پروپیگنڈہ کا ڈھونگ نہیں تھا بلکہ حقیقت پر مبنی تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ کھچڑی اندر ہی اندر بہت دیر سے پک رہی تھی۔ اور اب اسے اس شکل میں باہر لایا جا رہا ہے جب انہیں بزعم خویش اس کا یقین ہو گیا ہے کہ اگر انہوں نے اس سوال کو آگے بڑھایا تو بعض گوشوں سے انہیں یقیناً" اس کی تائید حاصل ہو جائے گی۔

ہم پاکستان کے ارباب بست و کشاد سے درخواست کریں گے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ سے عبرت حاصل کریں، اور اس نئے فتنے کے استیصال میں تعویق سے کام نہ لیں۔ مسئلہ کشمیر نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ان معاملات میں تاخیر دشمن کے حق میں اور ہمارے خلاف جاتی ہے۔ لہٰذا' ضرورت ہے کہ اس کے متعلق ایک دفعہ بیٹھ کر پختہ فیصلہ کر لیا جائے اور پھر اس فیصلے پر عملدرآمد کرنے کے لئے پوری ہمت سے کام لیا جائے۔ یہ مسئلہ بھی کشمیر کے مسئلہ کی طرح پاکستان کی موت اور زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کا ہر بہی خواہ اس باب میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے گا۔"

مذہبی فرقہ بندی

قرآن کریم کے واضح احکامات کے مطابق امت میں تفرقہ سازی شرک ہے۔ فرقہ سازی کی بنیاد شخصیت پر استوار ہوتی ہے۔ تفرقہ بازی میں ہمارے ملک کے علماء کو بڑا مقام حاصل ہے۔ طلوع اسلام نے اپنی جون 1959ء کی اشاعت میں تحریر کیا کہ تفرقہ کو مٹانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے لکھا۔

" امت میں تفرقہ علماء کا پیدا کردہ ہے۔ اسی تفرقے میں ان کی اپنی ہستی کا راز پوشیدہ رہے۔ ان حضرات سے یہ توقع رکھنا کہ یہ تفرقہ مٹا کر وحدت پیدا کر دیں گے' انتہائی خوش فہمی ہے۔ جو حضرات ان تمام مفسدہ انگیزیوں اور خونریزیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کے باوجود' جو امت کے لئے وجہ ہلاکت بنتی چلی آ رہی ہیں' اتنی سی بات پر بھی متفق نہ ہو سکے کہ نماز میں ہاتھ کھلے رکھنے چاہئیں' سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں یا زیر ناف۔ وہ اپنے تمام اختلافات مٹا کر ایک امت کیسے بن سکتے ہیں؟ جس زمانے میں پاکستان کا آئین زیر ترتیب تھا' مختلف فرقوں کے اکتیس علماء کراچی میں جمع ہوئے تھے۔ یہ حضرات اپنے اس اجتماع کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ اس اجتماع میں انہوں نے ایک مطالبہ متفقہ طور پر پیش کیا تھا۔ وہ مطالبہ یہ تھا کہ ان کے مختلف فرقوں کو آئینی طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ سو جن حضرات کا اتفاق فرقوں کی گرہوں کو مضبوط کرنے کے لئے عمل میں آئے وہ فرقوں کو مٹا کر وحدت کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے امت میں تفرقہ کو روکنے اور وحدت قائم رکھنے کی ذمہ داری افراد کے بجائے حکومت کے سر عاید کی ہے۔ یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ امت میں فرقے پیدا نہ ہونے دے اور جب پیدا ہو چکے ہوں تو انہیں ختم کر کے امت میں وحدت پیدا کرے۔ بظاہر یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے لیکن در حقیقت یہ ایسا مشکل نہیں۔"

قرآن ہی امت میں وحدت کی بنیاد بن سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ :

1۔ دین میں سند و حجت قرآن کو تسلیم کر لیا جائے۔

2۔ جو کچھ اس وقت ہمارے ہاں مذہب کے نام سے مروج ہے' اسے قرآن کی روشنی میں پرکھا جائے۔ جو

کچھ اس کے مطابق ہو اسے رکھ لیا جائے جو اس کے خلاف ہو اسے مسترد کر دیا جائے۔

3۔ قانون سازی کے سلسلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ غیر متبدل قرآنی اصول (یا احکام) ہیں۔ امت کو یہ حق حاصل ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنے لئے جزئی قوانین خود وضع کرے۔ ان قوانین میں عندالضرورت تغیر و تبدل کیا جا سکے گا۔ لیکن قرآن کے اصول و احکام غیر متبدل رہیں گے۔"

جمہوریت اور اسلام

کہا جاتا ہے کہ اسلام سراسر جمہوریت ہے اور جمہوریت کے نشو و ارتقاء کے لئے سیاسی پارٹیوں کا وجود ناگزیر ہے۔ ان پرفریب نعروں کی نقاب کشائی کرتے ہوئے طلوع اسلام اس موضوع پر بارہا قرآنی روشنی ڈالتا رہا ہے۔ مذہب اور مغربی جمہوریت کے نقاب میں ملک دشمن اور مفاد پرست جس طرح سر ابھار رہا ہے' ابتدا ہی سے طلوع اسلام نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ اس نے اپریل 1948ء کی اشاعت میں حکومت کو مشورہ دیا تھا۔

کمیونسٹ

"ہم حکومت پاکستان کو ایک بار پھر متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے جمہوریت کا یہ مفہوم بالکل غلط سمجھا ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ مملکت پاکستان کے کس قدر گہرے دشمن ہیں' انہیں پاکستان دوستی کے منافقانہ دعاوی کی آڑ میں اس قسم کی سازشوں کی اجازت دی جائے جس سے اس نوزائیدہ نظام کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں۔

ضرورت ہے کہ جو نیشنلسٹ عنصر نظم و نسق امور سلطنت میں کسی نہ کسی طرح دخیل ہو گیا ہے یا جو کمیونسٹ عنصر عوام کو آئین شکنی اور امن سوزی کے لئے بھڑکاتا ہے اور مظاہرات اور اشتعال انگیز اسباب و ذرائع سے حکومت کی مشینری میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتا ہے' آہنی گرفت سے اس کا مقابلہ کیا جائے تاکہ قبل اس کے کہ اس کی جڑیں زمیں گیر ہو جائیں اس فتنہ کا استیصال ہو جائے۔"

سیاسی پارٹیاں

مغربی جمہوریت کی سیاہ کاریوں اور ان کے تباہ کن نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے طلوع اسلام نے **بالتفصیل** بار بار توجہ مبذول کرائی ہے۔ اس نے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی **ابلیسیت** کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا۔

"قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق دنیا میں دو ہی پارٹیاں تھیں۔ مسلم اور غیر مسلم۔ خود مسلمانوں میں کسی پارٹی کا وجود یا تصور نہ تھا۔ وہاں ایک حزب اللہ تھی اور دوسری حزب الشیطان۔

ہمارے یہاں ایک بڑی بدنصیبی یہ بھی ہے کہ ہم مغربی تصورات میں اس حد تک کھو گئے ہیں کہ وہاں کے مروجہ نظام جمہوریت کی **تنگنائے** سے باہر نکل ہی نہیں سکتے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس نظام میں

پارٹیوں کا وجود ضروری ہے تو پھر' جمہوریت کے مغربی فلسفہ کے اسلامی تصور کا بنیادی فرق سمجھے بغیر' ہم یہ ہانک لگا دیتے ہیں کہ ہمارے ہاں بھی سیاسی پارٹیوں کا وجود اشد ضروری ہے۔ سوچئے کہ یہ کتنا بڑا فریب ہے خود اپنے ساتھ' اور کتنا بڑا کھیل ہے دین خداوندی کے ساتھ!

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تلخ تجربات کے تباہ کن نتائج ہماری نگاہوں کے سامنے آ چکے ہیں۔ ہمارے ہاں (اور مغرب میں بھی) پارٹیوں کا مسلک و مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہر معاملے میں حزب اقتدار کی مخالفت کی جائے اور جیسے بھی ممکن ہو برسراقتدار پارٹی کی حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی پارٹی کی حکومت قائم کی جائے۔ اس مقصد و مسلک کے لئے ملک کی تمام پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف شب و روز نبرد آزما اور برسرپیکار رہتی ہیں اور پوری مملکت میں جنگ و جدل کا جنم ہر لمحہ بھڑکتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا نظام' اسلامی تصور مملکت میں کبھی بار نہیں پا سکتا۔ ہم نے یہ جنم بھڑکا کے دیکھ لیا ہے۔ اس کے شعلوں میں پوری ملت کا امن و چین بھسم ہو کر رہ گیا ہے۔ تقلید مغرب کی اس خود فریبی میں ہمیں بدترین ایام دیکھنے پڑے لیکن وائے برحال ماہ کہ ہم اس سے ادنیٰ عبرت حاصل نہ کر سکے اور جونہی موقع ملا ماضی کے تلخ تجربات کو ایک بار پھر دہرانے کے لئے بے تابانہ میدان میں نکل آئے۔

ایک بار پھر سن لیجئے کہ اسلامی مملکت کے نظام کی بنیاد وحدت ملت پر ہے۔ اس نظام میں نہ تو کسی ایک پارٹی کی حکومت کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی دوسرے کی نگرانی اور احتساب کا سوال۔ حکومت کا قیام پوری ملت کا مشترکہ فریضہ ہوتا ہے اور ہر فرد مملکت کو اس کی نگرانی کا حق حاصل ہوتا ہے۔"

(اگست 1962ء)

مغربی جمہوریت اور اس کی مشینری ہمارے حالات کے قطعاً" سازگار نہیں۔ اس کا مغز اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ عوام کے فیصلوں کی اطاعت قرآن کریم کی رو سے شرک ہے اور شرک تذلیل انسانیت اور ہلاکت کا موجب طلوع اسلام نے اس اصولی اور بنیادی بحث پر علیٰ وجہ البصیرت اپنی رائے پیش کرتے ہوئے لکھا۔

اقتدار اعلیٰ

" مغربی جمہوریت کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ ملک میں اقتدار (Sovereignty) عوام کو حاصل ہوتا ہے۔ عوام اپنے اس اقتدار کو اپنے نمائندگان کے ذریعے بروئے کار لاتے ہیں اور جو فیصلہ عوام کے نمائندگان کی اکثریت کرے وہ ملک کا قانون قرار پاتا ہے جس کی اطاعت ہر ایک کے لئے لازمی ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اختیارات سے بالا کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ وہ جو جی میں آئے فیصلہ کرے اور جس قسم کا چاہے قانون وضع کرے۔

ثبات و تغیر کا امتزاج

یہ تصور قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے۔ قرآن کی رو سے اس قسم کا اقتدار اعلیٰ کسی انسان کو حاصل نہیں ہو

سکتا۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ کچھ بنیادی اصول اور مستقبل اقدار عطا کی ہیں جو قرآن میں محفوظ ہیں۔ ان اصول و اقدار میں کوئی فرد' کوئی ادارہ' کوئی حکومت کوئی مملکت کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں کر سکتی۔ مملکت اسلامی ان اصول و اقدار کو برقرار رکھنے اور انہیں عملاً" نافذ کرنے کے لئے وجود میں آتی ہے۔ اس مملکت کو البتہ اس کا اختیار ہوتا ہے کہ ان غیر تبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے لئے جزئی قوانین مرتب کرے۔ یہ قوانین امت کے باہمی مشورے سے مرتب کئے جاتے ہیں۔ باہمی مشاورت کا اصول بھی قرآن کا مقرر کردہ اور غیر متبدل ہے۔" (جنوری 1960ء)

آمدنی کے اعتبار سے حلقہ ہائے انتخاب

آمدنی کے معیار کے مطابق متعین کئے جائیں مثلاً" سو روپے ماہوار آمدنی والے افراد پر مشتمل ایک حلقہ۔ ان افراد کی تعداد کی نسبت سے اس میں نشستوں کا تعین' اور اس کے بعد شرط یہ کہ اس حلقہ سے امیدوار وہی کھڑے ہو سکتے ہیں جن کی آمدنی اتنی ہو۔ اسی شکل کو آگے بڑھاتے جایئے۔ مثلاً" پانچسو روپے ماہوار آمدنی والوں کا ایک حلقہ انتخاب اور امید وار بھی انہی میں سے۔ اسے اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے آپ لاکھوں روپے ماہوار آمدنی تک لے جایئے۔ ظاہر ہے کہ جوں جوں ہم اوپر اٹھتے جائیں گے نشستوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی اور آخری نتیجہ یہ ہو گا کہ پورے کا پورا ایوان' قوم کے صحیح نمائندگان پر مشتمل ہو گا۔ اس پر ہم اتنا اضافہ اور کرنا چاہیں گے کہ امیدواروں کے لئے کم از کم تعلیم کی شرط بھی ضروری عائد ہونی چاہیے۔ اس کے لئے تعلیمی معیار بھی آمدنی کی نسبت سے رکھا جائے۔ سو روپے آمدنی والوں کے لئے پرائمری یا مڈل کی شرط بھی کافی ہے۔ جوں جوں اوپر اٹھتے جائیں تعلیمی معیار بھی بلند ہوتا جائے صدارت کے لئے البتہ معیار آمدنی نہیں صرف تعلیم رکھا جائے....

اس طریق انتخاب کی رو سے (علاوہ اس کے کہ قوم کے نمائندے فی الواقعہ قوم کے نمائندے ہوں گے) سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ الیکشن کی خرابیاں (جن کا ہم اس قدر رونا روتے رہتے ہیں) خود بخود دور ہو جائیں گی۔ سو روپے ماہوار آمدنی والا امیدوار اپنے ووٹر کو رشوت کہاں سے دے گا۔ اور جھوٹے سچے پروپیگنڈہ کے لئے رقم کہاں سے لائے گا؟ اور لاکھ روپے آمدنی والا اگر رشوت دینا چاہے گا تو اس کے ووٹر بھی اسی کی حیثیت کے ہوں گے۔ انہیں خریدنے کے لئے اسے خود بکنا پڑے گا۔

جہاں تک خصوصی مفادات کا تعلق ہے ان کے لئے ایک ایوان بالا (Senate) کا ہونا ضروری ہے خصوصی مفادات سے ہماری مراد ہے مثلاً" ڈاکٹر وکلاء' جج صاحبان' اساتذہ' اہل قلم' سائنٹیفک تحقیقات کے ماہر' صنعت و حرفت' تجارت و زراعت وغیرہ۔ ان کے لئے وہی انتخابی حلقے ہوں' وہی ووٹ دینے والے اور انہی میں سے امیدوار۔ ایوان زیریں اور ایوان بالا کے باہمی تعلقات اور دوائر اختیار کا فیصلہ آئینی طور پر کیا جا سکتا ہے۔" (اکتوبر 1967ء)

مسئلہ تعلیم

قوم انسانوں کے ہجوم اور انبوہ کا نام نہیں ہوتا بلکہ یہ عبارت ہوتی ہے انسانوں کے اس مجموعہ سے جن میں یک دلی اور یکنگی' ہم آہنگی و ہم خیالی ہو' یکنگی اور یکدلی اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب اس قوم کی تعلیم مشترک ہو تاکہ اس کے افراد کے قلب و دماغ کی تعمیر ایک ہی نقشہ کے مطابق ہو اور ان کی ذہنی اور فکری صلاحیتیں ایک ہی قالب میں ڈھل کر باہر نکلیں۔ تعمیر ملت کے سلسلہ میں' طلوع اسلام نے اس زمانے کے وزیر تعلیم کی توجہ' سنت انبیاءؑ کی طرف

کرتے ہوئے، اپنی دوسری اشاعت بابت مارچ 1948ء میں لکھا۔
..... تعمیر پاکستان میں سب سے مقدم سوال، تعلیم کا ہے۔ اگر ہماری تعلیم صحیح نہج و اسلوب پر شروع ہو گئی تو سمجھ لیجئے ہماری ملی عمارت کی بنیاد صحیح خطوط پر اٹھے گی۔ اور اگر اس کی طرف سے ایسا ہی تساہل برتا گیا جیسا کہ ہم نے اس پیشتر برتا ہے تو انسانوں کا یہ "منتشر مجموعہ" تا قیامت' قوم نہیں بن سکے گا۔ ہم نے "منتشر مجموعہ" کی متضاد ترکیب استعمال کی ہے۔ اس لئے قرآن نے ایسے گروہ کے متعلق جو بظاہر اکٹھا نظر آئے لیکن جن کے دلوں میں اشتراک نہ ہو فرمایا ہے **تحسبھم جمیعا" و قلوبھم شتی** (59/14)۔ (تو انہیں "مجموعہ" خیال کرے گا حالانکہ وہ مجموعہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے قلوب ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں) اس کا نام "منتشر مجموعہ" ہے۔ قوموں میں وجہ جمعیت قلبی **ائتلاف** ہوتا ہے نہ کہ پیکروں کا اجتماع۔ تعلیمی اشتراک کے بغیر قلبی اشتراک نا ممکن ہے۔"

اس مسئلہ کی اہمیت

اس مسئلہ کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے طلوع اسلام نے، جنوری 1952ء میں لکھا۔

کچھ ہوش میں آنے کی میری شکل بھی ناصح
یہ میں بھی سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے

ہوش میں آنے کی شکل، نہ تو اسمبلیوں میں پیدا ہو سکے گی نہ وزارتوں کے کابینوں سے، نہ یہ ملا کے حجروں سے ابھرے گی نہ شیخ طریقت کی خانقاہوں سے۔ اس کی ابتداء درس گاہوں سے ہو گی۔ قرآن نے اس کی شکل یہی بتائی ہے۔ جب اس نے کہا کہ نظام ربوبیت کے قیام کی صورت یہ ہے **بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون** (3/78)۔ ضابطہ قانون خداوندی کو سمجھنا اور سمجھانا اور اسے اس قدر دہرانا کہ یہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ ہم نے اس سے پہلے بھی کہا تھا اور آج اسے پھر دہراتے ہیں۔ وہ سرسید بن کر اٹھیں اور ملک میں دو چار ایسی درسگاہیں قائم کر دیں جن میں قرآن کی تعلیم دی جائے۔ ملا کے قرآن کی نہیں، خدا کے قرآن کی جو انسان کو تسخیر ارض و سموات کے رموز ہی نہیں بتاتا بلکہ اس پر **اقطار السموت والارض** سے آگے نکل جانے کی راہیں بھی کشادہ کر دیتا ہے۔ ان متحجر انسانوں کو چھوڑ دو کہ جنہوں نے جو کچھ بنا تھا بن چکے۔ اپنی تمام توجہات مرکوز کر دو ان سیال قلوب پر (یعنی آنے والی نسلوں پر) جنہیں، تم جس قالب میں ڈھالنا چاہو' ڈھال سکتے ہو۔ اس سرزمین کی حفاظت کا انتظام رکھو اور اس متاع عظیم کے امین تیار کرنے کے لئے درس گاہیں تیار کرو..... دس پندرہ برس تک نہایت خاموشی سے ان درس گاہوں کو مصروف تعلیم و تربیت رہنے دو۔ اس کے بعد دیکھو کہ ان میں کس قسم کے شہباز نکلتے ہیں۔ اس قسم کے شہباز کہ

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا

سیاستدانوں کے ہنگامے انہی کے حوالے کر دو' بزنس والوں کو چور بازاری کی بھول بھلیوں میں الجھا رہنے دو ملا کو قوم کی عاقبت سنوار کر اپنی روٹی کمانے کے دھندے میں لگا رہنے دو۔ یہ سب میدان ان کے لئے چھوڑ دو اور تم قوم کے بچوں کو سنبھال لو۔

تم دیکھو گے کہ آخر الامران سب کی متاع کاسد ثابت ہو گی۔ ان کے کاروبار میں نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ ان کی کھیتیاں جھلس کر رہ جائیں گی۔ لیکن تم جس تخم صالح کی آبیاری کرو گے وہ ایک دن ایسا تناور درخت بن جائے گا جس کی شاخیں لطافے عالم میں مسرتوں کے جھولے جھول رہی ہوں گی۔ **کشجرۃ طیبہ اصلھا ثابت**

وفرعها فی السماء ○ (14/24) قوم وہی زندہ رہ سکتی ہے جو مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر مستقبل کی خوشگواریوں کو ترجیح دے۔ **و بالاخرۃ ھم یوقنون** ○ **اولئک علی ھدی من ربھم** ○ **واولئک ھم المفلحون** ○

صبر طلبی عشق

آپ کی بے علمی آپ کو یہ کہہ کر فریب دے گی کہ دنیا برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ قوموں کی تقدیریں صبح شام بدل رہی ہیں۔ بین الاقوامی حالات قدم قدم پر پلٹا لے رہے ہیں۔ مزاج روزگار اتنی سرعت سے بدل رہا ہے اور ہمیں ایک ایسا پروگرام بتایا جا رہا ہے جس میں دس پندرہ سال انتظار ہی میں گزر جائیں۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ ٹوٹی ہوئی ٹانگ کو چالیس دن تک پلاسٹر میں رکھنا ہی ہو گا خواہ اتنی دیر میں قافلہ کتنا ہی آگے کیوں نہ بڑھ جائے۔ تپ دق کا علاج کبھی ایک رات میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے مہینوں بلکہ بعض اوقات برسوں تک سینی ٹوریم میں رہنا پڑتا ہے۔ آپ اس پروگرام کو یہ کہہ کر نہ ٹال دیجئے کہ ----" آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک " --- اگر آپ نے اس پروگرام کو تشکیل پاکستان کے فوری بعد شروع کر دیا ہوتا تو اس وقت تک اس کی تہائی منزل ختم ہو چکی ہوتی۔ اگر آپ اسے اب بھی شروع کر دیں تو ہر آنے والا دن آپ کے عرصہ انتظار میں کمی کرتا جائے گا۔ تیزی سے بڑھنے والے حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے جو کچھ اور لوگ کرنا چاہیں انہیں کرنے دیجئے۔ لیکن آپ اس سست گام طریق کار کو اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ اس کے نتائج نہایت درخشندہ اور پائیدار ہوں گے۔ **واللہ علی مانقول شھید**"

خالی قانون سے کچھ نہیں ہو سکتا

صحیح معاشرہ کی تخلیق صرف قانون بنانے سے نہیں' ذہنی تبدیلی سے ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں طلوع اسلام نے لکھا۔

" یہ سمجھ لیجئے کہ آپ سے جو یہ کہا گیا ہے کہ اگر پاکستان میں " آئین شریعت " کا نفاذ ہو گیا تو عوام کی حالت اسی دن سنور جائے گی۔ یہ بھی فریب ہے اور محض آپ کے ووٹ حاصل کرنے کا ایک ذریعہ۔ اول تو جس قسم کا " آئین شریعت" ان لوگوں کے ذہن میں ہے اس میں عوام کی حالت نہ کبھی سدھری تھی نہ سدھر سکتی ہے۔ وہ آئین مفاد پرستی اور سرمایہ داری کا محافظ ہے جس میں عوام کہ ہمیشہ لوٹا کھسوٹا گیا ہے۔ اس آئین میں بھی دنیا کی خوشگواریاں مفاد پرست طبقہ کے حصے میں آئیں گی اور آپ کو " آخرت میں جنت " ملنے کی تھپکیاں دے کر سلا دیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قوموں کی حالت خالی قوانین کے زور پر نہیں بدلا کرتی۔ اس کے لئے ذہنی تبدیلی کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ ذہنی تبدیلی صرف قرآنی فکر سے پیدا ہو سکتی ہے اور یہی وہ تبدیلی ہے جس سے صحیح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ قانون کا کام معاشرہ کے مستثنیات (Exceptions) یعنی جرائم پسند طبائع کی روک تھام ہوتا ہے' نہ کہ صحیح معاشرہ کی تخلیق۔"

تعلیم کے معاملہ میں ثنویت ختم کیجئے

اسی امر کی تجدید طلوع اسلام نے جنوری 1959ء کی اشاعت میں ان الفاظ میں کی۔

" اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ قرآنی نظام اپنی حقیقی روح کے مطابق اسی صورت میں نافذ اور نتیجہ خیز ہو گا جب اس کے تقاضے دل کی گہرائیوں سے ابھریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و

تربیت کا ایسا انتظام کریں جس سے ہمارے نوجوانوں کا قلب و دماغ قرآن کے قالب میں ڈھل جائے۔ وہ قرآنی نظام کی حقیقت و اصلیت کے علیٰ وجہ البصیرت قائل ہوں اور اس کی رو سے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری نوع انسانی کی مشکلات کا حل دریافت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس سے ہماری سیرت میں بلندی اور کردار میں پختگی پیدا ہو گی..... ایسی قوم کے داخلی مفاسد کی روک تھام تو ہنگامی احکام و تدابیر سے ہو سکتی ہے' ان کا مستقل علاج اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت کی پوری پوری ذمہ داری مملکت پر ہو گی۔ اور اس کے بنیادی خط و خال وہ ہوں گے جنہیں قرآن کریم نے تجویز کیا ہے۔

لہٰذا ہمارے ہاں تعلیم کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم اٹھانے کا یہ ہے کہ " مذہبی اور دنیاوی تعلیم " کی اس **ثنویت** کو ختم کیا جائے۔ جب ہمارے ہاں دین اور دنیا میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں تو مذہبی اور دنیاوی تعلیم الگ الگ درس گاہوں میں کیوں دی جائے۔ ہمارے ہاں ایک ہی درس گاہ میں عصر حاضر کے جملہ علوم کے ساتھ دین کی تعلیم دی جانی چاہیے۔ اور اس طرح مذہبی پیشوائیت (Priesthood) کے ادارہ اور (Institution) کو ختم کر دینا چاہیے۔"

اسلام کو غیر اسلامی تصورات سے پاک کرو

دینی تعلیم کو غیر اسلامی تصورات سے پاک کیا جائے۔ اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی جنوری 1959ء کی اشاعت میں لکھا۔

" حقیقت یہ ہے کہ وہی افراد' ادارہ یا مملکت مسلمانوں کی حقیقی بہی خواہ اور نوع انسانی کی محسن ہو گی جو اسلام کو غیر اسلامی تصورات و نظریات کی زنجیروں سے آزاد کر کے اسے اپنی منزل تک پہنچنے کا موقع مہیا کرے گی۔ لیکن یہ کام اس کے ہاتھوں سر انجام پائے گا جو تعصب اور جہالت کی ہر یورش کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرات رکھتا ہو .... اسلام کو ان غیر اسلامی تصورات زنجیروں سے آزاد کرانا کسی محکوم ملک کو غیروں کے تسلط سے آزاد کرانے سے بھی زیادہ مشکل اور ہمت طلب مرحلہ ہے۔ لیکن اس کے بغیر ملک میں کوئی صحیح اور پائیدار تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

مساجد سے مدارس کا کام لیجئے

مدارس کی کمی اور اس کے حصول کی دشواریوں کا حل پیش کرتے ہوئے طلوع اسلام نے جولائی 1959ء کے شمارہ میں حکومت کو مشورہ دیتے ہوئے تجویز پیش کی کہ

" اقوام عالم میں اگر ہم باشعور قوم کہلانے کے مدعی ہیں تو یہ ضروری ہے کہ اپنی زندگی کے ان مسائل کو دیانتداری سے حل کریں اور مسجدوں سے تربیت گاہوں کا کام لے کر اس کمی کو پورا کریں جس کی وجہ سے ہماری نئی نسل تباہ ہو رہی ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اول تو مدرسے بہت کم ہیں اور اس کی بنیادی وجہ عمارت کا نہ ہونا ہے۔ دوسرے ان مدرسوں میں دور دور سے بچے آتے ہیں جن کی ٹرانسپورٹ کا کوئی تسلی بخش انتظام نہیں ..... اس کے برعکس مسجد قریب قریب ہر محلہ میں موجود ہوتی ہے پھر اس کا فاصلہ بھی ہر گھر سے دس بیس قدم سے زیادہ نہیں ہوتا۔ صبح نماز کے بعد ظہر کے وقت تک (کہ یہی عام طور پر بچوں کے اسکول کا وقت ہوتا ہے) وہ بالکل خالی پڑی رہتی ہیں۔ محلے کے بچے کتنی آسانی سے اس میں تعلیم پا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مساجد کے امام' خطیب اور موذن جو خطبہ اور نمازوں کے علاوہ باقی اوقات میں بے کار رہتے ہیں بچوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک پیسہ خرچ کئے بغیر نئی نسل کے لاکھوں بے کار بچے جنہیں سکولوں میں داخلہ نہیں ملتا' تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ ہو جائیں گے۔ اور تباہی کے جس سیلاب میں ان کی زندگیاں بہے چلی جا رہی ہیں اس سے بچا کر انہیں صحیح راستے پر ڈالا جا

سکتا ہے ہم ارباب حکومت سے درخواست کریں گے کہ وہ ہماری اس تجویز پر سنجیدگی سے غور کریں۔"

معاشی مسائل اور ان کا حل

قرآنی نظام میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر ہوتی ہے' قرآنی مملکت جو خدا کے نام پر قائم ہوتی ہے خدا کی اس ذمہ داری کا فریضہ اپنے اوپر لیتی ہے۔ اس لئے وہ افراد معاشرہ سے واضح الفاظ میں کہتی ہے کہ **نحن نزرقکم و ایاھم** (6/151)- (تم مطمئن ہو کر بلند مقاصد حیات کے حصول کے لئے کوشاں رہو) ہم تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کے ذمہ دار ہیں۔ طلوع اسلام نے شروع ہی سے قرآن کے عطا فرمردہ اس انسانی حق کو حکومت پاکستان سے منوانے کے لئے جدو جہد کی ہے۔ مذہبی پیشوائیت کی بدحالی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس نے حکومت سے اپیل کی اور طلوع اسلام کی جنوری 1955ء کی اشاعت میں لکھا۔

مذہبی پیشواؤں کی معاش کا انتظام

" یہ مصیبت پاکستان میں ابھی سے نازک صورت حال اختیار کر چکی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت' ہندوستانی مسلمانوں جوق در جوق پاکستان کی طرف آنے شروع ہو گئے۔ ان میں مختلف پیشوں کے لوگ تھے جنہوں نے یہاں پہنچ کر اپنے اپنے پیشے اختیار کر لئے۔ لیکن مذہبی پیشواؤں (مساجد کے ائمہ' مذہبی مدرسوں کے اساتذہ' قاضی' مفتی وغیرہ) جو یہاں پہنچے تو ان کے لئے یہاں جگہ ہی نہ تھی۔ مساجد سب پر تھیں۔ ہندو اور سکھ جو اپنی عبادت گاہیں خالی کر گئے تھے وہ انہیں الاٹ نہیں کی جا سکتی تھیں' کام انہیں کوئی آتا نہیں تھا۔ اب سوچئے کہ بیکاروں کا اتنا بڑا طبقہ جس نے وہاں ایسی زندگی بسر کی تھی لوگ دیتے بھی تھے اور ہاتھ بھی چومتے تھے' وہ یہاں کس طرح گزر اوقات کرتا؟ پاکستان کے لئے یہ مسئلہ بڑا غور طلب تھا۔ چنانچہ ہم نے اسی زمانے میں ارباب حل و عقد کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر اس طبقہ کی معاش کا بندوبست نہ کیا گیا تو یہ قسم قسم کے فتنوں کا موجب بن جائے گا۔ افسوس ہے کہ ارباب اقتدار نے اس طرف توجہ نہ دی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ملک ابتری اور پریشانی کی آماجگاہ بنا دیا گیا۔ اس مصیبت کا اب بھی یہ حل ہے کہ اس طبقہ کے جو لوگ اس وقت ملک میں بیکار ہیں' ان کی معاش کا انتظام کیا جائے اور آئندہ کے لئے یہاں مذہبی مدرسے بالکل نہ کھلنے دیئے جائیں تاکہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے۔ باقی رہی دینی تعلیم' سو اس کا انتظام عام اسکولوں اور کالجوں میں کیا جائے۔ اگر قوم نے اب بھی اس طرف توجہ نہ دی تو یہاں بھی وہی کچھ ہو گا جو انڈونیشیا' ایران اور مصر وغیرہ میں ہو رہا ہے۔"

معاشی نظام

مملکت کے باشندوں کے لئے فراہمی رزق کی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے طلوع اسلام نے اپنی فروری 1959ء کی اشاعت میں مشورہ دیتے ہوئے لکھا۔

" ہم اس مقام پر دہرا دیں کہ قرآنی نظام ربوبیت کے مطابق تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی پورا کرنے کی ذمہ داری حکومت کے سر پر ہوتی ہے۔ اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت ذرائع پیداوار کو اپنی تحویل میں رکھتی ہے۔ ان پر ملکیت نہ افراد کی ہوتی ہے نہ مملکت کی۔ " ذرائع پیداوار " میں صرف زمین ہی شامل نہیں۔ دور حاضر میں کارخانے بھی یہی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اب حکومت کارخانوں کے نظام کے متعلق بھی اس قسم کی اصلاحات پر توجہ دے گی اس لئے کہ جو خرابیاں زمین سے حاصل شدہ لامحدود دولت سے پیدا ہوتی ہیں' اسی قسم کی

خرابیاں کارخانوں سے حاصل کردہ لا محدود دولت سے بھی رونما ہوتی ہے۔ قرآن ان خرابیوں کا علاج یہ بتاتا ہے کہ **فاضلہ** دولت (ضرورت سے زیادہ دولت) کو کسی کے پاس بھی نہ رہنے دیا جائے۔ اسے قوانین خداوندی کے مطابق نوع انسان کی منفعت کے لئے عام کر دیا جائے۔ خدا کرے ہماری مملکت بتدریج اس منزل تک پہنچ جائے اور اس طرح ایک ایسے انسانیت ساز معاشی نظام کو متشکل کر دکھائے جس کے سامنے امریکہ اور روس دونوں کی نگاہیں جھک جائیں۔

قوم کو سوچنا سکھایئے

حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کی اہم ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے طلوع اسلام نے مشورہ دیا اور قوم کا صحیح تعاون حاصل کرنے کے طریق مقرر کرتے ہوئے ستمبر 1954ء کی اشاعت میں لکھا۔

"ہماری قوم جذبات پرستیوں سے کافی پٹ چکی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ انہیں حقائق کا سامنا کرنے کا عادی بنایا جائے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو مسئلہ پیش نظر ہو اسے نہایت وضاحت سے قوم کے سامنے رکھا جائے۔ اسے اس کے مفید اور مضر پہلوؤں سے روشناس کرایا جائے۔ اس کے نتائج و عواقب سے آگاہ کیا جائے۔ پھر یہ سمجھایا جائے کہ پاکستان کے دشمنوں کی کیا چال ہے' ان کی تدبیریں کیا ہیں' ہم نے ان کا حل کیا سوچا ہے۔ اس کے بعد قوم سے کہا جائے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کرے اسے سوچے سمجھے اور پھر بتائے کہ اس باب میں اس کا کیا مشورہ ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے آپ قوم کا صحیح تعاون حاصل کر سکتے ہیں اور ان خطرات کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن سے آئے دن مملکت پاکستان دو چار ہوتی رہتی ہے۔ اس قسم کی جذباتی اور مبہم تقریروں سے قوم اس نتیجہ پر پہنچتی ہے یا تو ان مسائل کو آپ خود بھی اچھی طرح سے نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو آپ نے ان کے حل کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھایا۔ اس لئے اپنی بے عملی کو جذبات پرستی کے نقاب میں چھپا رہے ہیں۔ یہ صورت حال کسی طرح بھی خوش آیند نہیں۔ اس سے زیادہ سے زیادہ ایک وقتی گرمجوشی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس قسم کی گرمجوشی شراب کے نشے کی طرح ہوتی ہے جس کا خمار بے حد اضمحلال اور افسردگی پیدا کرتا ہے۔ **واثمها اكبر من نفعها** اس کے اضمحلال کا نقصان اس کی گرمجوشی کے فائدہ سے کہیں زیادہ ہے۔"

حکومت اور عوام

حکومت اور عوام کے رابطہ کے اصل مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی اپریل 1948ء کی اشاعت میں لکھا۔

" ہم حکومت سے پھر گزارش کریں گے کہ وہ اپنے آپ کو جمہور کی آواز بنائے۔ ملت کو یقین دلائے کہ حکومت ملت کی ہے اور خود اس کا ثبوت دے کہ وہ ملت کو اپنی ملت سمجھتی ہے۔ موجودہ طریقے عوام سے رابطہ پیدا کرنے کے نہیں ... اب حقائق سے کھیلنے یا چشم پوشی کا وقت نہیں۔ پاکستان ایک حقیقت ہے۔ وہ نہ افسانہ ہے نہ شعر۔ زندگی بجائے خود نہ افسانہ ہے نہ شعر۔ ہم میدان جنگ میں ہیں۔ زندگی سعی پیہم ہے اور جہاد مسلسل۔ شاعری زندگی کے حقائق سے گریز کا نام ہے۔" (طلوع اسلام - اپریل 1948ء)

طلوع اسلام نے اپنی دسمبر 1952ء کی اشاعت میں خلفاء راشدینؓ کے نقش قدم پر چلنے کی تنبیہ کرتے ہوئے ارباب حل و عقد کو یاد دلایا۔

"جب تک ہمارے ارباب حل عقد حضرت عمرؓ کی طرح راتوں کو بھیس بدل کر اپنی آنکھوں سے یہ نہیں دیکھیں گے کہ قوم کی حالت کیا ہے اور اپنے کانوں سے نہیں سنیں گے کہ۔۔ کہتی ہے ان کو خلق خدا غائبانہ کیا۔ اور جب تک قوم کا

ہر فرد (عہد فاروقیؓ) کی اس بڑھیا جیسی جرات اپنے اندر نہیں رکھے گا کہ وہ ارباب حل و عقد کو بتا سکے کہ خلافت بادشاہت میں کیا فرق ہے۔ اس وقت تک یہ **مصاحبین**' ارباب اقتدار کو برابر فریب میں مبتلا رکھیں گے اور ارباب اقتدار دیکھتے بوجھتے برابر فریب کھاتے چلے جائیں گے اس لئے کہ فریب میں بڑی لذت ہوتی ہے اور حقائق کا سامنا کرنے کے لئے بڑے کیریکٹر کی ضرورت ہوتی ہے۔"

عوام کو مشورہ -- قانون شکنی چھوڑ دو

عوام کو مشورہ دیتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی جنوری 1949ء کے شمارہ میں لکھا۔

" وہ حکومت ختم ہو گئی جس کے خلاف تمہیں قانون شکنی اور عدول حکمی کے لئے بھڑکایا جاتا تھا۔ اب اس جگہ تمہاری اپنی حکومت آ گئی لیکن تم نے اس قانون شکنی اور ضابطہ فراموشی کی روش کو اصل حیات اور حکم عدولی اور نافرمانی کے مسلک کو عین آزادی سمجھ رکھا ہے اور اب تک تمہاری حالت یہ ہے کہ ذرا کوئی بات خلاف منشاء ہوئی اور تم خفا برآتش ہو گئے۔ ذرا سوچو کہ اس طرح دنیا میں کوئی نظم قائم اور کوئی حکومت مستحکم ہو سکتی ہے؟ .... اگر قانون غلط ہے تو اسے صحیح قانون سے بدلنے کی کوشش کرو۔ لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر بے آئینی کا انتشار نہ پیدا ہونے دو کہ یہی انتشار سے دشمن' جو تمہاری گھات میں بیٹھا ہے' فائدہ اٹھا جائے گا اور تمہاری یہ حالت ہو جائے گی جیسے ایک نوزائیدہ چڑیا کا بچہ گھونسلے سے نیچے گر جائے۔"

قانون کی فرمانروائی

قانون پر عملدرآمد کرانے کے سلسلہ میں طلوع اسلام نے حکومت کو مشورہ دیا کہ جرات اور بے باکی سے چھوٹے اور بڑے اور غریب امیر کا امتیاز کئے بغیر آنکھوں پر پٹی باندھ کر ترازوئے عدل ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہے۔ اس نے اپنی ستمبر 1957ء کی اشاعت میں لکھا۔

"ضرورت ہے دیانت مقصد کے ساتھ اس مسئلہ کو ہاتھ میں لینے کی۔ اس کے لئے ضرورت ہے عزم راسخ اور ہمت بلند کی۔ ضرورت ہے جرات اور بے باکی کی۔ ضرورت ہے آنکھوں پر پٹی باندھ کر ترازوئے عدل کو ہاتھ میں لینے کی اور ضرورت ہے چھوٹے اور بڑے' غریب اور امیر کا امتیاز کئے بغیر **بطش** شدید اور گرفت محکم کی۔ اسی سے ایسی فضا پیدا ہو سکتی ہے جس سے قانون شکنی کرنے والے کا دل تنہائی میں خوف سے کانپ اٹھے اور پر امن شریف انسان اطمینان کی نیند سو سکیں۔ جو حکومت ایسی فضا پیدا کر دے وہی کامیاب اور قابل فخر حکومت کہلا سکتی ہے۔"

ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال

ہماری قوم بے حد جذباتی واقع ہوئی ہے۔ اس کا خوشگوار پہلو تو یہ ہے کہ خطرہ کے وقت یہ بڑی سرگرم عمل ہو جاتی ہے لیکن اس کا نقصان رساں گوشہ یہ ہے کہ یہ دوسروں کے پروپیگنڈہ کا بھی اسی تیزی سے شکار ہو جاتی ہے۔ ضرورت ہے قوم میں صحیح سیاسی شعور پیدا کیا جائے۔ عوام میں اس کا ذریعہ پریس ہے اور طلباء میں صحیح نظام تعلیم۔ اور ہم نے اس بیس سال میں ان دونوں تربیتوں سے مجرمانہ تغافل برتا ہے۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ کی گئی تو پھر ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔

ہماری آئیڈیالوجی

اسرائیل نے ایک مقصد کے حصول کے لئے مملکت قائم کی۔ چین کے پیش نظر اپنی مخصوص آئیڈیالوجی تھی۔ بیس برس میں ان کا ہر قدم اسی مقصد اور منزل کی طرف اٹھتا چلا گیا اور اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے بھی آئیڈیالوجی کے لئے خطہ زمین کو حاصل کیا لیکن اس کے بعد وہ آئیڈیالوجی ہماری زبانوں تک رہ گئی۔ جب تک اس آئیڈیالوجی کو مقصود مملکت قرار نہیں دیا جائے گا۔ ہم میں مقصد کی خاطر زندہ رہنے اور مقصد کی خاطر مر مٹنے کا جذبہ پیدا نہیں ہو گا۔ یہ آئیڈیالوجی قرآن میں بیان کردہ مستقل اقدار کے سوا کچھ نہیں۔ جب تک پوری کی پوری قوم میں (اوپر کے طبقہ سمیت) اس مقصد کے لئے " جنون " پیدا نہیں ہو جاتا ہم زندہ رہنے کے مستحق قرار نہیں پا سکتے۔

ہم ایک قوم نہیں بن سکتے

ہم نے دین کے اشتراک کی بنا پر ایک قوم ہونے کا دعوی کیا اور اسی دعوے کی بنیادوں پر پاکستان حاصل کیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم ابھی تک ایک قوم بن ہی نہیں سکے۔ ہم' یا افراد کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا برادریوں اور علاقائی نسبتوں سے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کا اجتماعی مفاد ہمارے سامنے ہے ہی نہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے مفاد کی دھن میں مصروف اور لوٹ میں مشغول ہے۔ یہ اوپر کے طبقہ کا حال ہے۔ باقی رہے عوام سو وہ روٹی کی فکر میں اس قدر پریشان و سرگرداں ہیں کہ انہیں یہ کچھ سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ ملک کیا ہوتا ہے اور قوم کسے کہتے ہیں۔ جب تک ریت کے ان بکھرے ہوئے ذروں کو محکم بنیادوں پر چٹان نہیں بنایا جائے گا۔ یہ کسی طوفان بلا کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

سیلاب سے سب تباہ ہو جاتے ہیں

اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ لیڈر طعنہ زن ہیں کہ قوم **نکمی** ہے۔ اور قوم شکوہ سنج ہے کہ لیڈر کام کے نہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ (8/25) اس تباہی سے ڈرو کہ جب وہ آیا کرتی ہے تو صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہا کرتی جو ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ وہ ساری کی ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتی ہے پھر نہ قوم کے ظالم بچا کرتے ہیں نہ مظلوم۔

خدا کے قانون مکافات عمل کی رو سے ہر قوم کو مہلت کا وقفہ ملتا ہے اور اس کے ختم ہونے سے پہلے اسے ایک وارننگ ملتی ہے۔ اگر وہ اس سے سنبھل جائے تو نبھا' ورنہ اس پر تباہی (اچانک) آ جایا کرتی ہے۔"

حقوق اور ذمہ داریاں

انسان اور حیوان میں فرق یہ ہے کہ انسان صاحب اختیار و ارادہ ہے اور حیوان مجبور ہے۔ صاحب اختیار و ارادہ ہونا' بڑی لذت بخش اور کیف انگیز خصوصیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اسے کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہتا۔ لیکن فطرت کی طرف سے یہ متاع گراں بہا مفت نہیں مل گئی۔ اس نے اس کی بڑی قیمت وصول کی ہے اور وہ قیمت ہے ذمہ داری (Responsibility)- جتنی زیادہ اختیار کی وسعتیں اتنی بڑی ذمہ داری۔ لیکن جہاں انسانی اختیارات کے استعمال سے بے پناہ لذت حاصل کرتا ہے وہاں ذمہ داری کا بوجھ اس پر بہت گراں گزرتا ہے چنانچہ اس کی ہمیشہ کوشش یہ رہتی ہے کہ وہ سچے یا جھوٹے حقیقی یا مصنوعی اختیارات کے استعمال سے لذت اندوز اور کیف آشنا تو ہوتا رہے لیکن کسی نہ کسی طرح ذمہ داریوں کے بوجھ سے بچ جائے۔ نوع انسان کی تاریخ کا بیشتر حصہ اس کی اسی خود فریب کوشش کی داستان

ہے۔ اس میں وہ طبقہ بھی شامل ہے جس نے ذہنی یا جسمانی قوت اور برتری حاصل کر کے ایسے نظریات حیات اور نظام ہائے تمدن و معاشرت وضع کئے جن سے ان کی ہوس اقتدار کی تو تسکین ہوتی ہے رہے لیکن ان کی چیرہ دستیوں کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہو۔ دوسری طرف کمزور اور زیردست طبقہ بھی' ان تمام چیرہ دستیوں کو' محض اپنی کمزوری اور کم ہمتی کی بنا پر برداشت کرتا اور اس طرح ان انسانیت سوز نظریات و نظا مہائے تمدن و سیاست کی کامیابی کا ذریعہ بنتا رہا لیکن اپنے اوپر اس کی ذمہ داری لینے سے کتراتا رہا۔ آپ قرآن کریم کی تعلیمات پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ وہ کس طرح ان تمام **معتقدات** اور نظریات کی ایک ایک کر کے تردید کرتا ہے جن کی رو سے انسان اپنی ذمہ داری سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے۔ پاکستان کو زندگی حاصل کرنے کا یہ آخری موقعہ ملا ہے۔ اب یہ حکومت اور عوام کی اپنی کوشش پر موقوف ہے کہ یہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر زندگی کی نعمتوں سے دوبارہ ہمکنار ہو جائیں یا اپنی تساہل انگیزیوں اور ہوس رانیوں سے اس نایاب موقع کو ضائع کر کے ان قوموں میں جا ملیں جن کے متعلق قضا و قدر کا حتمی فیصلہ ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتیں۔

ثنویت کو ختم کر دو

قرآن کریم کہتا ہے کہ جس طرح طبیعی دنیا کے متعلق خدا کے مقرر کردہ اٹل قوانین ہیں اسی طرح خود انسانی دنیا کے متعلق بھی غیر متبدل قوانین ہیں۔ جس طرح طبیعی دنیا کے قوانین کی پابندی سے تعمیری نتائج مرتب ہوتے ہیں اور ان کے خلاف ورزی سے تخریب ہوتی ہے اسی طرح انسانی دنیا سے متعلق قوانین کے مطابق نظام معاشرہ متشکل کرنے سے انسانیت آگے بڑھتی ہے اور ان کی خلاف ورزی سے اس کا ارتقاء رک جاتا ہے جس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے قوانین فطرت اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین دونوں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ان کے اس امتزاج کا نام الدین ہے۔ ان میں **ثنویت** (Duality) پیدا کر دی جائے تو اس کا جو نتیجہ برآمد ہو گا اسے قرآن کے الفاظ میں سنئے۔ سورہ بقر میں ہے۔

> کیا تم الکتاب (ضابطہ قوانین) کے ایک حصہ پر ایمان لانا اور اس کے دوسرے حصہ سے انکار کرنا چاہتے ہو؟ یاد رکھو! تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو گا کہ وہ دنیاوی زندگی میں ذلیل ہو گا اور آخروی زندگی میں شدید ترین تباہی میں مبتلا۔ (2/85)

سیکولر تصور حیات میں قوانین فطرت پر ایمان لایا جاتا ہے اور مستقبل اقدار سے کفر برتا جاتا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

مذہب میں قوانین فطرت سے کفر برتا جاتا ہے اور (بزعم خویش) وحی خداوندی پر ایمان لایا جاتا ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے اور

الدین میں قوانین فطرت اور مستقبل اقدار خداوندی دونوں پر ایمان لایا جاتا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کے لئے تاریخ کے اوراق کو چودہ سو سال پیچھے پلٹنا ہو گا۔

پاکستان میں زکوٰۃ کا نظام

طلوع اسلام کی جون 1969ء کی اشاعت میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔

سوال: پاکستان کے سابق چیف جسٹس مسٹر کار نیلیس نے اگلے دنوں تجویز کیا ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ پانچ سالہ بانڈز کی شکل میں جمع کر کے خیرات کے کاموں میں صرف کیا جائے۔ اسکے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: کار نیلیس صاحب اسلامی امور کے متعلق اکثر تجاویز پیش کرتے رہتے ہیں اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں لیکن اس سلسلہ میں ہم یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ کار نیلیس صاحب عیسائی ہیں اور چونکہ عیسائیت ایک مذہب ہے

اس لئے وہ اسلام کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں اسے ایک مذہب سمجھ کر ہی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ مذہب میں (بائبل کے الفاظ میں) قیصر کا حصہ قیصر کو دیا جاتا ہے اور خدا کا حصہ خدا کو۔ لیکن دین میں اس قسم کی **ثنویت** (Dualism) کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اسلام میں زکوٰۃ انفرادی خیرات کا نام نہیں۔ اسلامی حکومت کی پوری کی پوری آمدنی کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے جس سے وہ افراد انسانیہ کو سامان نشو و نما بہم پہنچانے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ (یہی زکوٰۃ کے لفظی معنی بھی ہیں) اس لئے اس کی وصولیابی یا خرچہ کے لئے اسلامی حکومت کو کوئی جداگانہ انتظام نہیں کرنا ہوتا۔ کار نیلیس صاحب کو اس باب میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے اس کے ذمہ دار وہ لوگ بھی ہیں جو اٹھتے بیٹھتے کہتے رہتے ہیں کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور حکومت کی طرف سے عائد کردہ ٹیکسوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ان لوگوں کے ذہن میں بھی خدا اور قیصر کی **ثنویت** سمائی ہوئی ہے۔ دین کا تصور ان کے سامنے بھی نہیں۔

اسلامی نظام کا مفہوم متعین کیا جائے

ماہنامہ طلوع اسلام جون 1968ء کی اشاعت میں اس امر کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

موجودہ مسلمانوں کی پہلی مشکل تو یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کو سوچ سمجھ کر' بہ طیب خاطر بطور نظام زندگی اختیار نہیں کیا۔

اور ان کی دوسری دشواری یہ ہے کہ جس اسلام کی طرف یہ اپنی نسبت کرتے ہیں اس کا کوئی متعین مفہوم ان کے سامنے نہیں۔

اور تیسری دشواری یہ ہے (اور یہ سب سے اہم اور بنیادی دشواری ہے) کہ بہ ہیئت مجموعی اسلام کا جو تصور ہماری مذہبی پیشوائیت کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اسے اس اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں جسے خدا نے اپنے رسولؐ کی وساطت سے عطا فرمایا تھا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے تھے کہ نظام سرمایہ داری کو مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقے عین اسلام قرار دیتے ہیں اور اسلام میں فرقون کے وجود کو کوئی بھی شرک تسلیم نہیں کرتا! حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام کی یکسر نقیض ہیں۔

یہ ہے وہ مقام جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ

اسلامی نظام کا واضح مفہوم متعین کیا جائے۔ ایک متعین مفہوم۔ یہ کام مذہبی پیشوائیت کے بس کا نہیں ہماری مذہبی پیشوائیت' فرقہ بندی کا شکار ہے اور فرقہ بندی میں (قرآن کے الفاظ میں) ہوتا یہ ہے کہ **کل حزب بما لدیھم فرحون** (30/31)- ہر فرقہ اپنے مسلک کو حق سمجھتا ہے اور اپنے عقائد میں ایسا مست ہوتا ہے کہ (اس کے خلاف کسی نظریہ کو حق سمجھنا تو درکنار) وہ اس پر تنقیدی نگاہ ڈالنا بھی کفرو الحاد کے مرادف سمجھتا ہے۔ فرقہ بندی قائم ہی اس قسم کی تشدد عصبیت سے رہ سکتی ہے۔ جو حضرات' ہزار برس سے یہ نہ طے کر سکتے کہ نماز میں آمین اونچی آواز سے کہنی چاہئے یا نیچی سے۔ کیا وہ پورے کے پورے اسلامی نظام کا ایک متفق علیہ مفہوم متعین کر سکیں گے؟ ان سے ایسی توقع رکھنا خود فریبی ہے۔

یہ کام مملکت کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اسلام میں نہ دین و دنیا دو الگ الگ شعبے ہیں اور نہ ہی انسانی زندگی کی مختلف خانوں (Compartments) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امت کی پوری پوری زندگی کے متعلق ضوابط مقرر کرے۔ ظاہر ہے کہ مملکت کی طرف سے متعین کردہ ضابطہ قوانین ساری قوم کے لئے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس میں دین و دنیا کی تفریق تو ایک طرف' شخصی۔اور پبلک لاز کی تفریق بھی نہیں

ہو سکتی۔ یہ تھا وہ مقصد جس کے لئے پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ یعنی
اسلامی نظام کا مفہوم متعین کر کے اسے ملک میں عملاً" نافذ کرنا۔
مذہبی پیشوائیت تو ایسا کر نہیں سکتی تھی اس لئے اس نے نہ اب تک ایسا کیا' نہ ہی ایسا وہ کبھی ... کر سکے گی یہی ہمارے ہاں کی مملکت نے' ایسا کر سکنے کے باوجود' ایسا نہ کیا۔
لیکن کسی نے ایسا کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس کے بغیر نہ مملکت اسلامی بن سکتی ہے' نہ موجودہ مسلمان' مسلمان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اسلامی قانون کا مستقبل

پاکستان کے حصول کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس خطہ زمین میں صحیح اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ کسی حکومت کے اسلامی قرار پانے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس میں اسلامی قوانین نافذ ہوں۔ اس اعتبار سے تشکیل پاکستان کے بعد سب سے پہلا اور بنیادی سوال یہ سامنے آیا کہ اسلام میں قانون سازی کا اصول کیا ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں یہ اصول پیش کیا کہ دین کی بنیاد کتاب اللہ (قرآن کریم) پر ہے جو کچھ اس میں دیا گیا وہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہے اور اس کے حرفاً" حرفاً" منجانب اللہ ہونے پر ہمارا ایمان ہے۔ قرآن میں تھوڑے سے احکام ہیں اور دیگر امور کے متعلق صرف اصول دیئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیلات نہیں دی گئیں۔ مقصد اس سے یہ کہ ان اصولوں کی جزئیات اسلامی مملکت (جسے خلافت علیٰ منہاج کہا جاتا ہے) اپنے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق خود متعین کرے گی یہ جزئیات وقت کے تقاضوں کے مطابق قابل تغیر و تبدل ہوں گی لیکن قران کے اصول اپنی جگہ غیر متبدل رہیں گے اس طرح (علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں) ثبات و تغیر کے حسین امتزاج سے اسلامی قوانین' اپنی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔
اس کے برعکس قدامت پرست طبقہ کا موقف یہ ہے کہ ہمارے جس قدر قوانین اسلاف سے چلے آ رہے ہیں وہ سب غیر متبدل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی' ان کا یہی موقف ہے جس کی مخالفت کی وجہ سے وہ طلوع اسلام کو ملحد' بے دین اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر گردن زدنی ٹھہراتے ہیں۔ اور دوسری طرف ان کا یہی موقف ہے جس کی وجہ سے پاکستان میں قانون سازی کا معاملہ' بھنور میں پھنسی ہوئی لکڑی کی طرح ایک ہی مقام پر مصروف گردش ہے اور اس بیس (پچاس سال) سال میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔
لیکن جذبات کیسے ہی مقدس کیوں نہ ہوں' اگر ان کی بنیاد آسمانی حقائق پر نہ ہو' تو وہ وقت کے دھارے کے راستے میں سنگ گراں بن کر حائل نہیں ہو سکتے۔ زمانہ کی بے پناہ رو انہیں راستے سے ہٹا کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے قدامت پسند طبقہ کی اس قدر کورانہ مخالفت کے باوجود پاکستان میں یہ رجحانات عام ہو رہے ہیں کہ جو قوانین ہمارے یہاں متوارث چلے آ رہے ہیں ان میں اسلامی مملکت رد و بدل کرنے کی مجاز ہے۔

معاشی بدحالی

ہم ارباب حکومت کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بایں امید کہ وہ ان پر نہایت سنجیدگی سے' ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور صرف غور ہی نہ کریں' بلکہ ان میں سے جنہیں وہ مفید سمجھیں ان پر بلا تاخیر عمل بھی کریں۔
ملک کی معاشی بدحالی موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کا فطری نتیجہ ہے اور اس کا کماحقہ' ازالہ نظام کی تبدیلی سے ہو سکتا ہے لیکن ہمیں اس کا احساس و اعتراف ہے کہ کوئی معاشی نظام شباشب بدلا نہیں جا سکتا۔ اسے بتدریج ہی بدلا جا سکتا ہے۔

کرنے کا کام یہ ہوتا ہے کہ جس نظام کو آخر الامر قائم کرنا مقصود ہو' اس کے خدوخال کی متعین طور پر وضاحت کر کے پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف قدم اٹھاتے چلے جائیں۔ اس طریق کار کے مطابق اس وقت سب سے پہلا کرنے کا کام یہ ہے کہ ممتاز شہریوں کی ایک مختصر سی کمیٹی کو ساتھ لے کر' اس امر کا جائزہ لیا جائے کہ ایک متوسط گھرانے کی بنیادی ضروریات زندگی' کھانا' کپڑا' مکان' علاج معالجہ وغیرہ' کم از کم کتنے روپے ماہوار میں پوری ہو سکتی ہیں۔ یہ وہ رقم ہو گی جس کا مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہو گی۔ ملازمین کی کم از کم تنخواہ یہ ہو گی۔ مزدوروں کی کم از کم اجرت یہ ہو گی۔ جو لوگ کام کرنے سے طبعی طور پر معذور ہوں' یا جنہیں کام میسر نہ آتا ہو ان کا کم از کم الاؤنس اس قدر ہو گا۔ (علاج معالجہ میں صرف روزمرہ کی عام شکایات شامل ہوں گی۔ شدید قسم کے امراض' حادثات اور زچگی وغیرہ کا انتظام حکومت کی طرف سے الگ ہو گا) یاد رکھئے' جس طرح ایک بزرگ خاندان (مثلاً" باپ) کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افراد خاندان کی ضروریات زندگی پوری کرے' اسی طرح (قرآنی تصور مملکت کے مطابق) ملک کی حکومت کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ افراد کی ضروریات زندگی پوری کرے۔ اگر اس کی آمدنی کم ہے تو وہ اپنی آمدنی میں اضافہ کی صورت پیدا کرے اور جس قدر آمدنی ہے اس کی تقسیم اس طرح کرے کہ افراد خانہ میں سے کسی کی ضرورت رکی نہ رہے۔ ملک کی خوشحالی کا ثبوت ہی یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ اسی سے حقیقی امن اور اطمینان پیدا ہو سکتا ہے۔

ہوش ربا گرانی

اس وقت ملک کی حالت یہ ہے کہ آج ایک چیز کی قیمت پانچ روپے ہے' کل اسی دکاندار سے وہی چیز مانگئے تو وہ اس کی قیمت سات روپے بتائے گا۔ اس سے اس کی وجہ دریافت کیجئے وہ جواب میں کہے گا صاحب! آج بھاؤ چڑھ گیا ہے۔ (چڑھ گیا ہے اس طرح کہہ دیتے ہیں' جیسے کوئی بندر خود بخود درخت پر چڑھ جائے)۔ عام شہری بیچارے کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ بھاؤ چڑھتا کیسے ہے اور اسے چڑھاتا کون ہے۔ اسے بہرحال اسی چڑھے ہوئے بھاؤ کے مطابق چیز خریدنی پڑتی ہے۔ اور جو بھاؤ ایک مرتبہ چڑھ جاتا ہے' وہ پھر نیچے کبھی نہیں اترتا۔ اوپر ہی چڑھتا چلا جاتا ہے۔

حکومت کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کی قیمت مقررہ کرے اور ان قیمت کی تختی متعلقہ دکان پر لٹکوائے اگر وہ اس کا کنٹرول نہیں کر سکتی تو اسے ہر جگہ اپنی دکانیں کھولنی چاہیں جہاں سے ہر ضرورت کی چیز مقررہ نرخ پر مل سکے اپنی دکانیں کھولنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ وہاں سے خالص چیزیں مل سکیں گی اس وقت تک ملک میں ملاوٹ کا کوئی علاج نہیں ہو سکا بلکہ یہ مرض دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

رشوت کی لعنت

رشوت اس معاشی نظام کا منطقی نتیجہ ہے جس میں کسی فرد کو مستقبل کی معاشی ضمانت (Security) حاصل نہیں ہوتی' اس لئے وہ ہر جائز و ناجائز طریق سے دولت سمیٹنے کی فکر اور جائدادیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لئے اس کا کلی خاتمہ تو معاشی نظام کی تبدیلی ہی سے ہو گا لیکن اس کی فوری اصلاح کے لئے ہم نے کچھ عرصہ پہلے ایک تجویز پیش کی تھی۔ اور وہ یہ کہ حکومت اپنے ملازمین کو' ان کی اور ان کے بال بچوں کی ضروریات زندگی کی پوری پوری ضمانت دیدے اور اس کے بعد ان کے لئے ذاتی املاک (پرائیویٹ پراپرٹی) قانوناً" ممنوع قرار دیدے۔

شکایت کی شنوائی

اس وقت حکومت کے دفاتر میں جس قدر دھاندلی مچ رہی ہے' کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس کے خلاف شکایت کر کے

داد رسی حاصل کی جا سکے۔ ویسے تو ہر نیا حاکم' اپنے تقرر کے بعد' عام اعلان کرتا ہے کہ اس نے اپنے دروازے پر "عدل جہانگیری" کی زنجیر لٹکوا دی ہے لیکن یہ زنجیر لٹکی کی لٹکی رہ جاتی ہے بلکہ بعض اوقات فریادیوں کے لئے الٹی زنجیر پا بن جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ ہر دفتر کے ساتھ ایک ایسا اعلیٰ پایہ کا با اختیار افسر تعینات ہو جس تک فریادی رسائی حاصل کر سکے اور وہ اس شکایت کی تحقیق کر کے' انصاف کا تقاضا پورا کرے۔

اس قسم کے افسر' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ہونے چاہئیں۔ اگر کسی کو معلوم (بلکہ یقین ہو کہ ایک مقام ایسا ہے' جہاں میری شنوائی ہو سکتی ہے تو اس کے دل میں ایجی ٹیشن کا جذبہ ابھرتا ہی نہیں۔ اشتعال تو مایوسی کے رد عمل کا نام ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ شیطان (سرکشی) اور ابلیس (مایوسی) ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ بلی اس وقت حملہ کرتی ہے جب وہ کمرے کے سب دروازے بند پاتی ہے۔ اس وقت افراد معاشرہ جو ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہی اپنی شکایات کی چارہ جوئی کے لئے کوئی دروازہ کھلا نہیں ملتا۔

عدل

موجودہ نظام کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایک مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کے لئے اخراجات کا زیر بار ہونا پڑتا ہے۔ کسی مقدمہ میں جو فریق بھی برسرحق ثابت ہو اس پر حصول عدل اور داد رسی کے لئے کسی قسم کا بار نہیں پڑنا چاہیے۔ نیز مقدمات کے فیصلہ میں آج کل جس قدر ناقابل برداشت تاخیر ہوتی ہے اس سے نہ صرف انصاف کا گلا گھٹ جاتا ہے بلکہ ملک کی آبادی کے ایک معتد بہ حصہ کا وقت اور توانائی بری طرح ضائع ہو جاتی ہے۔ اس سے ملک کی مجموعی دولت کی پیدائش پر جس قدر مضر اثر پڑتا ہے وہ بالکل واضح اور عیاں ہے۔ اس مقصد کے لئے کمیشن تو بہت بٹھائے گئے لیکن پرنالہ وہیں کا وہیں رہا۔ اس کی ایک بڑی وجہ موجودہ قوانین کا پیچیدہ اور مبہم ہونا ہے۔

حصول عدل کے معاملہ میں ہمارے ہاں کا طبقہ نسواں بڑا ہی مجبور اور مظلوم واقعہ ہوا ہے۔ عائلی قوانین نے ان بے چاریوں کو کچھ تھوڑی سی سہولتیں بہم پہنچائی تھیں لیکن نظم و نسق کی بے ضابطگیوں سے وہ بھی معطل ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں نہایت ضروری ہے کہ فیملی کورٹس کی جج' خواتین ہوں' ہمارے ہاں کی عورت کسی عورت کے سامنے تو اپنی بات بیان کر سکتی ہے' مرد کے سامنے نہیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو عورت اپنے جابر و ظالم خاوند سے گلو خلاصی کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اس کی حفاظت کا اپنا انتظام نہ ہو' حکومت اس کی حفاظت کا انتظام کرے۔ خاوند کے خلاف قانونی شکایت کے بعد وہ اس کے درپئے آزار ہو جاتا ہے اور مختلف حربوں سے اسے اس قدر تنگ کرتا ہے کہ وہ بے چاری مجبور ہو کر' اپنی شکایت واپس لے لیتی ہے۔ اور جب وہ اس کے بعد پھر اسی چنگل میں پھنس جاتی ہے تو وہ انتقام جوئی کے جذبہ کے ماتحت اس پر پہلے سے بھی زیادہ مظالم توڑتا ہے اور اس سے مخلصی حاصل کرنے کی اس مظلوم کے پاس کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ ضرورت ہے کہ حکومت کا نظام عدل و عافیت اس طرف خصوصی توجہ دے۔ دنیا میں کوئی معاشرہ مہذب تو کجا شریف نہیں کہلا سکتا اگر اس میں عورت محفوظ نہیں۔

حکام کا رویہ

انگریزوں کو اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ضرورت تھی کہ وہ یہاں کے عوام کو محکوم اور اپنے آپ کو حاکم سمجھیں۔ انہوں نے افسروں کے لئے اصطلاح تو وہی رائج کی جو ان کے اپنے ملک میں مروج تھی یعنی (Public Servants) عوام کے خادم۔ لیکن عملاً" وہ رہے حاکم کے حاکم۔ ہم نے نظام حکومت انہی سے ورثہ میں پایا ہے اور اگرچہ اب صورت یہ ہے کہ ملک میں کسی کو محکوم سمجھنا پاکستان کی آزادی کے دعویٰ کے منافی ہے۔ لیکن عملاً"

ہمارے عمال حکومت، اپنے آپ کو انگریزوں جیسا حاکم اور افراد معاشرہ کو اپنا محکوم سمجھتے ہیں۔ حتی کہ اگر کوئی "داروغہ صفائی" بھی کسی راہرو سے بات کرتا ہے تو ایسی رعونت سے گویا اسے اختیارات شاہی حاصل ہیں۔ عمال حکومت کے اس ذلت آمیز رویہ نے بھی ملک میں انتظامیہ کے خلاف جذبات نفرت عام کر رکھے ہیں۔ ضرورت ہے کہ علامہ اقبالؒ کی یہ نصیحت ایوان حکومت کے ہر درودیوار پر کندہ اور اعمال حکومت میں سے ہر ایک کے لوح قلب پر نقش کر دی جائے کہ۔ ؎

بملا زمان سلطان خبرے دھم ز رازے
کہ جہان تواں گرفتن بہ نوائے دلگدازے

مملکت کا نام

یہ غنیمت ہے کہ مملکت کا نام۔ اسلامک ری پبلک آف پاکستان۔۔۔۔ رکھا گیا ہے۔ بعض حضرات ہم سے کہا کرتے ہیں کہ ایک طرف تو تم اٹھتے بیٹھتے یہ کہتے رہتے ہو کہ پاکستان (بلکہ ساری دنیا) میں اسلام کہیں نہیں اور مسلمان محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور دوسری طرف تم اس پر اظہار اطمینان کرتے ہو کہ مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ" رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ (مثلاً) آپ ہندوؤں کے محلہ میں رہیں۔ سارے کام ہندوؤں جیسے کریں لیکن اپنا نام عبدالرحمٰن رکھیں تو ہندو آپ کو کبھی اپنوں میں سے نہیں سمجھے گا۔ اپنے سے غیر ہی تصور کرے گا۔ گویا محض اس نام سے اپ کا جداگانہ تشخص قائم رہے گا۔ جونہی آپ نے اپنا نام بدل کر۔۔۔۔ رام داس۔ رکھا آپ کا جداگانہ تشخص ختم ہو گیا۔ آپ ہندوؤں میں ضم ہو گئے۔ بعینہ یہی کیفیت ملک کی ہے۔ پاکستان میں صحیح اسلام نہ ہو۔ ہم حقیقی معنوں میں مسلمان بھی نہ ہوں لیکن جب تک ہماری مملکت کا نام "اسلامی" ہو گا اس کا جداگانہ تشخص قائم رہے گا۔ جونہی آپ نے اسے "سیکولر سٹیٹ" کہا، اس کا امتیازی نشان مٹ گیا۔ آپ نے اس پر غور کیا کہ بھارت نے (نام نہاد) "بنگلہ دیش" کا نام۔ "اسلامی مملکت" نہیں رکھنے دیا اس سے وہ "بنگلہ دیش" کو اپنوں میں سے سمجھتا ہے اور پاکستان کو غیروں میں سے۔ ہم شکرگزار ہیں مسٹر بھٹو کے کہ انہوں نے کم از کم مملکت کے نام کے امتیازی نشان کو برقرار رکھا۔

اسلامی قوانین

یہ دیکھ کر ہمیں افسوس ہوا کہ قانون سازی کے سلسلہ میں، دین کے ساتھ جو مذاق پچیس سال سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ زیر نظر آئین میں بھی اسے علیٰ حالہ برقرار رکھا گیا ہے قریب بیس ادھر کی بات ہے جب مجلس آئین ساز میں پہلے پہل یہ تجویز پیش ہوئی کہ مملکت کا کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا تو ہم نے کہا تھا کہ یہ تجویز نا ممکن العمل ہے۔ کتاب و سنت کی رو سے کوئی ضابطہ قوانین ایسا مرتب نہیں ہو سکتا جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ اس پر مذہبی پیشوائیت نے شور مچا دیا۔ ہمیں منکر حدیث۔ ملحد، بے دین، کافر اور نمعلوم کیا

کیا کچھ کہا گیا لیکن ہم اپنی پکار کو برابر دہراتے گئے۔ ادھر ارباب حکومت بھی چونکہ اس باب میں سنجیدہ (Serious) نہیں تھے کہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ ہوں اس لئے انہوں نے اس تجویز کو اپنے حسب منشا سمجھا اور اسے آئین پاکستان میں داخل کر لیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ یہ شق داخل آئین تو رہی لیکن اس پر عمل ایک دن بھی نہ ہو سکا۔

مذہبی فرقے

1956ء کے آئین میں کہا گیا تھا کہ پرسنل لاز (شخصی قوانین) ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔ 1962ء کے آئین میں یہ شق موجود نہیں تھی لیکن بعد میں مذہبی پیشوائیت کے اصرار پر' ایک ترمیم کے ذریعے یہ شق (جسے قرآن بہ نص صریح شرک قرار دیتا ہے) شامل آئین کر دی گئی تھی۔ حالیہ آئین میں "مذہبی فرقہ" کی جگہ "مکتب فقہ" (School of Law) کہا گیا ہے اور اس طرح شاید اپنے آپ کو فریب دے لیا گیا ہے کہ ہم نے "فرقوں" کو تسلیم نہیں کیا۔

یاد رکھئے قرآن کریم کی رو سے۔

1- پبلک لاز اور پرسنل لاز میں کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

2- امت میں فرقوں کا وجود شرک ہے۔ اور

3- اسلامی مملکت کے اندر مختلف مکاتب فقہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو قوانین اس مملکت کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں وہی رائج الوقت فقہ اور شریعت ہوتی ہے جس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے۔

فیڈرل سسٹم

اس آئین میں نظام مملکت فیڈرل تجویز کیا گیا ہے جس کی رو سے' صوبوں کی امتیازی لکیریں زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو جاتی ہیں اور اس کا اگلا قدم (مشرقی پاکستان کی طرح) مطالبہ کامل خودمختاری کے بعد' علیحدگی کا رجحان ہوتا ہے۔ وحدانی انداز حکومت (Unitary form of Govt) میں تو ہمارے بچاؤ کی صورت ممکن ہے' فیڈرل نظام میں صوبجاتی تعصبات اور باہمی مفاد کے تصادمات ہمیں تباہی کی طرف لے جائیں گے۔ ہماری نجات کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمان ایک قوم۔ ان سب کے لئے ایک ضابطہ قوانین۔ اور ان سب کی ایک مشترکہ (وحدانی) حکومت۔

طلوع اسلام نے مملکت پاکستان کے آئین کے بنیادی اصولوں کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فروری 1971ء کی اشاعت میں لکھا۔

اقتدار اعلیٰ

اس مملکت میں اقتدار اعلیٰ خدا کو حاصل ہو گا جس کی عملی شکل یہ ہو گی کہ حکومت' خدا کی کتاب (قرآن مجید) کے احکام و اصولات کے مطابق قائم کی جائے گی اور اس کے خلاف کوئی قانون' حکم یا فیصلہ قابل قبول نہیں

ہو گا۔

قانون سازی

مملکت کے قوانین کی اساس قرآن کریم ہو گی اور مجلس قوانین ساز' اس کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے' اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق ' قانون مدون کرنے کی مجاز ہو گی۔ مملکت میں کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو سکے گا جو قرآن کریم کے خلاف ہو۔

فیصلہ کن ادارہ

اس آئین کے تابع ایک لاء کمیشن مقرر کیا جائے جو ملک کے مروجہ قوانین کا قرآن مجید کی روشنی میں جائزہ لے کر اپنی سفارشات پیش کرے۔ نیز جو قانون آئندہ بھی زیر تدوین آئے وہ اس کے متعلق بھی قرآنی روشنی میں اپنی سفارشات پیش کرے۔

اس سوال کا فیصلہ کہ فلاں قانون قرآن کے مطابق ہے یا نہیں' مملکت کی عدالت عالیہ کرے گی جس میں قانون سے دلچسپی رکھنے والے حضرات' بطور وکیل پیش ہو سکیں گے۔

یاد رکھئے ! جب تک کوئی اتھارٹی مقرر نہیں کی جاتی جو یہ فیصلہ دے سکے کہ حکومت کا فلاں اقدام' احکام خداوندی کے مطابق ہے یا نہیں' اور تمام افراد قوم کو' متنازعہ فیہ معاملات میں اس اتھارٹی کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہو' اس وقت تک آئین میں اس قسم کی شقیں درج کر دینا' بے معنی ہے۔ ہماری موجودہ روش' کہ آئین میں اس قسم کی شقیں شامل کر دی جائیں' لیکن عملاً" نظام حکومت سیکولر ہو' ہمیں تباہ کر کے رکھ دیگی۔ لفظی طور پر اسلام کو " مملکت کا مذہب" قرار دینا۔ مذہبی پیشوائیت کے لئے فساد انگیزی اور ہنگامہ خیزی کے مواقع زیادہ سے زیادہ تر پیدا کرتا جائے گا اور سیکولر نظام کا آخری نتیجہ' سوشلزم یا کمیونزم ہو گا۔

دو قومی نظریہ

مملکت میں بسنے والے غیر مسلم' مسلم قوم کا جزو نہیں قرار پا سکتے اس لئے انہیں امور مملکت میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ وہ اس کی پارلیمان کے ممبر ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان ممبروں کے انتخاب میں حصہ لے سکتے ہیں۔ حتی کہ وہ مملکت کی ان اسامیوں پر بھی تعینات نہیں کئے جا سکتے جن کا تعلق رموز مملکت سے ہو انہیں صرف وہ مراعات حاصل ہوں گی جن کی تشریح شق 13 میں کی گئی ہے۔

فرقے اور پارٹیاں

قرآن کریم کی اساس پر مملکت کے لئے جو قانون مرتب کیا جائے گا اس اطلاق ملک کے تمام مسلمانوں پر یکساں ہو گا۔

سیاسی پارٹیوں کو قانوناً" ممنوع قرار دے دیا جائے گا۔

بین الملی تعلقات

دین کے اشتراک کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کا فطری اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ مختلف ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک قوم کے افراد تسلیم کیا جائے۔ دیگر مسلم ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کی بنیاد قرآن کے اساسی اصول ہو گا۔

نظام حکومت

نظام حکومت وحدانی ہو گا۔

پارلیمان دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی۔ ایک ایوان عام ابنائے ملت پر مشتمل اور دوسرا خاص صلاحیتوں کے اہل اعیان امت پر۔

پارلیمان کے ایوانوں میں پارٹیوں کا وجود قانوناً ممنوع ہو گا۔ تمام امور باہمی مشاورت سے طے ہوں گے۔ اور حزب موافق اور حزب مخالف کا غیر اسلامی تصور کار فرما نہیں ہو گا۔

معیار اہلیت

صدر مملکت، اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان (کیبنٹ) ارکان مجالس مقننہ (پارلیمان)، ارباب نظم و نسق افسران ماتحت اور ان دیگر افراد پر جو کسی انداز سے امور مملکت کی سرانجام دہی سے متعلق ہوں حسب ذیل شرائط کا اطلاق ہو گا۔

1۔ قرآن کریم کے اصول و احکام سے واقفیت

2۔ متعلقہ امور کی سرانجام دہی کی کماحقہ، اہلیت

3۔ صالحیت یعنی سیرت و کردار کی پاکیزگی

4۔ ذاتی مفادات و جذبات سے بلند ہو کر، معاملات کی سرانجام دہی کی صلاحیت۔

اگر کوئی شخص کسی وقت ان شرائط میں سے کسی ایک شرط پر پورا نہ اترے تو جس طریق سے اس کا انتخاب یا تقرر عمل میں آیا تھا، اسی طریق سے اسے معطل یا برطرف کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم

قوم کے بچوں کی (اول سے آخر تک) تعلیم کی ذمہ داری، انفرادی طور پر والدین کی اور اجتماعی طور پر حکومت کی ہو گی۔ نظام تعلیم میں مذہبی اور دنیاوی تعلیم کی موجودہ تفریق کو ختم کر دیا جائے گا اور طالب علموں کو دنیاوی علوم کی تعلیم اس طرح دی جائے گی کہ وہ ہر شعبہ میں یہ جانچنے کے قابل ہو سکیں کہ قرآن کریم اس باب میں کیا راہنمائی دیتا ہے۔

نظام عدل

معاشرتی اور قانونی عدل' مملکت کا بنیادی فریضہ ہو گا۔ معاشرتی عدل سے مراد یہ ہے کہ افراد معاشرہ کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جن کی تشریح " بنیادی حقوق " سے متعلق باب میں کی گئی ہے اور ان کے عدم حصول کی صورت میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکے گا۔

قانونی عدل سے مراد یہ ہے کہ ہر متنازعہ معاملہ کا فیصلہ قانون کی رو سے ہو گا اور اس کے لئے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا۔ نیز فیصلہ میں یہ امر ملحوظ رکھا جائے گا کہ مظلوم کے نقصان کی بھی امکانی تلافی ہو جائے۔

نفسیاتی تبدیلی

مملکت میں کوئی فرد نہ کسی دوسرے فرد کا محکوم ہو گا نہ محتاج۔ اس میں محکومیت صرف قانون کی ہو گی جس سے کوئی شخص بھی بالا نہیں ہو گا۔ مملکت' عدل و احسان کی عام کارفرمائی سے ملک میں ایسی فضا پیدا کرے گی جس سے قانون کا احترام افراد مملکت کے دل کی گہرائیوں کا تقاضا بن جائے اور اس طرح ہر شخص بلا خوف و حزن زندگی بسر کرے۔

معاشی نظام

ہر فرد اپنی اپنی استعداد کے مطابق' وہ کام کرے جسے اس کی اہلیت و صلاحیت کے پیش نظر اس کے سپرد کیا گیا ہے' اور ہر ایک کی ضروریات زندگی مملکت کی طرف سے پوری ہوتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے وسائل پیداوار کا مملکت کی تحویل میں رہنا ضروری ہے۔ یہ انفرادی ملکیت میں نہیں رہ سکیں گی۔

غیر مسلموں کے حقوق

مملکت میں بسنے والے غیر مسلم۔ امور مملکت میں شریک نہیں کیے جا سکیں گے کیونکہ وہ اسلامی آئین کو تسلیم نہیں کرتے اور اس وجہ سے مسلم قوم کے افراد نہیں بننا چاہتے' لیکن ان لوگوں کو تمام بنیادی حقوق انسانیت حاصل ہوں گے ان کی جان' مال' آبرو' پرستش گاہیں محفوظ رہیں گی۔ انہیں شخصی مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ ان سے عدل و انصاف کرنے میں' ان میں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں کی جائے گی۔

اس کے باوجود اگر یہ لوگ کسی ایسی مملکت کی طرف مستقل طور پر منتقل ہونا چاہیں جو انہیں اپنے ہاں بسانے پر آمادہ ہو' تو اسلامی مملکت انہیں ان کے مامن تک بحفاظت پہنچانے کا انتظام کرے گی۔

لیکن اگر یہ مملکت کے اندر رہتے ہوئے اس کے آئین سے سرکشی برتیں گے تو انہیں اس بغاوت کی وہی سزا دی جائے گی جو مسلمان باغیوں کے لئے ہو گی۔

چار قومیتیں اور علاقائی کلچر

ساری دنیا کے مسلمان دین کے اشتراک کی بناء پر ایک الگ قوم ہیں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مئی 1974ء کی اشاعت میں طلوع اسلام نے لکھا۔

اب جب کہ 1971ء کے حادثہ کبریٰ کے عواقب سے متعلق معاملات' خواہی نخواہی یکسو ہو گئے ہیں تو ان کے متعلق مزید گفتگو بے کار ہے۔ یہ کچھ کیوں ہوا۔ کیسے ہوا۔ کون کون اس کا ذمہ دار ہے اور کس حد تک۔ اب یہ تمام امور آنے والے مورخ کے لئے چھوڑ دینے چاہیں ہمیں اپنی توجہات اس سوال پر مرکوز کر دینی چاہیے کہ اس باقی ماندہ پاکستان کے تحفظ بقا' استحکام اور فروغ کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اب بقیہ حصہ مملکت کے اندرنی احوال و کوائف بھی اس مسئلہ سے کم پریشان کن نہیں جس نے دو سال تک ہمیں وقف اضطراب رکھا۔ اس سے کم تو ایک طرف' یہاں کے حالات اس سے بھی زیادہ مخدوش ہیں اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر انہیں فوراً" سنبھالا نہ گیا تو اس کے نتائج بھی کچھ کم تباہ کن نہیں ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ہم شروع ہی میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ نہ تو وہ حالات ہی نئے ہیں جن کا ہم تذکرہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی وہ تدابیر جنہیں ہم پیش کرنا چاہتے ہیں' انہیں ہم بارہا بار پیش کر چکے ہیں بہ ایں ہمہ' ان کا دہرانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دوائی کو وقفوں کے ساتھ (Repeat) کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے اس حقیقت کو سامنے لانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں آ کر بھی ابھی تک ایک قوم نہیں بن سکے۔ ہم نے تحریک پاکستان کے دوران۔ اسلام کے اس بنیادی اصول کو اجاگر کیا تھا کہ کسی ملک یا مملکت میں بسنے والے تمام لوگ وطن کے اشتراک کی بنا پر ایک قوم نہیں قرار پا سکتے۔ اس میں بسنے والے مسلمان (بلکہ **منتہا** کے طور پر' ساری دنیا کے مسلمان) دین کے اشتراک کی بنا پر' ایک الگ قوم ہوتے ہیں اور غیر مسلم جداگانہ قوم۔ " اسے دو قومی نظریہ " کہا جاتا ہے اس نظریہ کی بنیادوں پر ہم نے مملکت پاکستان حاصل کی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد ہم نے اپنے اس بنیادی دعویٰ کو خیرباد کہ دیا اور اس ملک میں بسنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو' ایک قوم تسلیم کر لیا۔ چلئے یونہی سہی۔ اسلام نہیں تو کفر ہی سہی۔ لیکن ستم ظریفی یہ کہ ہم نے کفر کا راستہ بھی "کافرانہ" انداز سے اختیار نہ کیا۔ منافقانہ انداز سے اختیار کیا۔ ہم نے عملاً" حتی کہ آئین کی رو سے بھی۔ یہاں کے مسلموں اور غیر مسلموں کو ایک قوم تسلیم کیا لیکن زبان سے " دو قومی نظریہ " کے الفاظ دہراتے رہے۔ اور دہراتے چلے جا رہے ہیں۔ اس دو رخی پالیسی کا نفسیاتی نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہماری قومیت کی اساس کیا ہے! اگر یہ اساس دو قومی نظریہ ہے تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ملا کر ایک قوم قرار دینے کا کیا مطلب ہے اور ہماری قومیت کی اساس وطن کا اشتراک ہے تو پھر " دو قومی نظریہ " کے الفاظ کی تکرار و اصرار کے کیا معنی ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کو اپنی قومیت کی اساس یا وجہ جامعیت ہی یقینی طور پر معلوم نہ ہو تو وہ ایک قوم بن ہی نہیں سکتی' افراد کا مجموعہ بن کر رہ جاتی ہے۔

یاد رکھئے! جب تک ہم اس دورخی پالیسی کو نہیں چھوڑتے' ہم قوم بن نہیں سکتے

ہم نے عملاً" اشتراک وطن کو بنائے قومیت قرار دے کر پاکستان کے تمام (مسلم اور غیر مسلم) باشندوں کو ایک قوم تسلیم کر رکھا ہے۔ لیکن اس باب میں بھی ہم دیانت دار نہیں۔ دنیا کی کسی قوم میں آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ وہ اشتراک وطن کی بنیادوں پر ایک قوم بنے اور پھر ایسے رجحانات کی پرورش اور ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی کرے جو علاقائی تعصب اور قومی تفریق کا موجب بنیں۔ لیکن ہمارے ہاں یہ سلسلہ عرصہ سے جاری ہے اور

دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں کے اخبارات' رسائل' ریڈیو' ٹیلی ویژن وغیرہ میں جو کچھ "علاقائی کلچر" کے نام سے پیش کیا جاتا ہے' وہ ملک کے مختلف حصوں کے' ایک دوسرے سے علیحدہ اور منفرد ہونے کا عملی مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارے ہاں کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں جو لوگ "چار قومیتوں" کا نام لیں انہیں تو پاکستان کا دشمن قرار دیا جائے اور جو لوگ چار قومیتوں کے وجود' نمود اور فروغ کے لئے عملی اقدامات کریں۔ وہ اپنی بیش بہا خدمات کے صلہ میں مستحق حمد و ستائش اور سزاوار انعام و کرام ٹھہریں یا للعجب!

یاد رکھئے! یہاں علاقائی کلچروں کی آڑ میں جو کچھ کیا جا رہا ہے' وہ پاکستان کے خلاف بہت بڑی سازش ہے جس سے مقصد اس ملک کے ٹکڑے کر دینا ہیں۔ مسلم قومیت کا مدار' وحدت ایمان پر ہے' جس کا مشہود مظہر وحدت امت کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

یاد رکھئے! اگر علاقائی کلچروں کا زہر اسی طرح پھیلایا جاتا رہا۔ تو ہم اسلام کی بنیادوں پر تو ایک طرف وطن کی بنیادوں پر بھی ایک قوم نہیں بن سکیں گے۔

پاکستان کی حدود کا تعین

طلوع اسلام کنونشن منعقدہ نومبر 1973ء کے ایک خطاب میں پرویز صاحب نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا تھا۔

باؤنڈری کمیشن نے پاکستان کی حدود کے تعین میں ہمارے ساتھ بدیہی زیادتی کی۔ اس وقت کے حالات کے تحت ہمیں مجبوراً" اس ناقص ملک کو قبول کرنا پڑا لیکن ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے اور اس کی موجودہ سرحدوں کی حفاظت ہی اپنا نصب العین قرار دے لیا۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم ان سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ' اس رقبہ زمین کے حصول کو اپنا قومی فریضہ قرار دیتے جس سے ہمیں محروم کر دیا گیا تھا۔

دوسری غلطی ہم نے یہ کی کہ ہم نے ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ہم نے جب تحریک پاکستان کے دوران یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلمان' اشتراک ایمان کی بناء پر ایک قوم ہیں' تو ہمیں چاہیے تھا کہ حصول پاکستان کے بعد' تبادلہ آبادی کا مطالبہ کرتے' اور "فی کس رقبہ" کے حساب سے ان مسلمانوں کے یہاں بسنے کے لئے' ہندوؤں سے مزید علاقہ حاصل کرتے۔ اس کے لئے بھی ہمیں جدوجہد جاری کرنی اور رکھنی چاہیے تھی۔

ضرورت ہے کہ ہم

1۔ اس مطالبہ کو تازہ کریں کہ اصول تقسیم کی رو سے جس قدر علاقہ پاکستان کے حصہ میں آنا تھا (اور جس سے ہمیں باؤنڈری کمیشن نے محروم کر دیا تھا) وہ ہمیں ملنا چاہیے اور

2۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں سے (جن میں مقبوضہ کشمیر کے مسلمان بھی شامل ہیں) جس قدر نفوس ادھر منتقل ہونا چاہیں ان کے لئے مناسب رقبہ ہندوستان سے حاصل کر کے انہیں ادھر منتقل کر لیا جائے اس سے ایک طرف ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہو گا اور دو قومی نظریہ بھی اپنے منطقی نتیجہ تک پہنچ جائے گا۔

مذہبی امور کے لئے جداگانہ وزارت

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشن منعقدہ اکتوبر 1974ء میں ایک قرار داد متفقہ طور پر پاس ہوئی جس میں حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ اس اسلامی مملکت میں وزارت مذہبی امور کا وجود غیر اسلامی ہے۔

"حال ہی میں مرکزی حکومت پاکستان نے وزارت امور مذہبیہ (Ministry for Religious Affairs) کی تخلیق و تشکیل کی ہے۔ مملکت میں مذہبی امور کے لئے جداگانہ وزارت یا شعبہ کی تشکیل سیکولر نظام مملکت کا پیدا کردہ تصور ہے جس میں دنیاوی اور مذہبی امور میں **ثنویت** (Dualism) ہوتی ہے۔ اسلام اسی **ثنویت** کو مٹانے کے لئے آیا تھا۔ اس لئے اسلامی مملکت میں مذہبی امور کے لئے جداگانہ وزارت قائم نہیں ہو سکتی۔ اسلامی مملکت کا ہر شعبہ ہر وزارت اسلامی (لہٰذا عرف عام میں مذہبی) ہوتی ہے' بالفاظ دیگر ساری کی ساری مملکت دینی ہوتی ہے۔ خود مروجہ آئین پاکستان میں کہا گیا ہے کہ " مملکت کا مذہب اسلام ہو گا " جب پوری کی پوری مملکت کا مذہب اسلام ہے تو اس مین امور مذہبی کے لئے جداگانہ وزارت کا قیام مملکت کے اس بنیادی دعویٰ کے خلاف ہے۔

طلوع اسلام "کنونشن کا یہ اجلاس مرکزی حکومت پاکستان سے **مستدعی** ہے کہ وہ اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے اس وزارت کا قیام ختم کر دے اور پوری کی پوری مملکت کو اسلامی بنانے کے لئے عملی اقدامات کرے' جس کا طریق یہ ہے کہ وہ جملہ امور مملکت کا فیصلہ قرآن مجید کی روشنی میں کرتی چلی جائے۔ اس سے مملکت کی ہر وزارت دنیاوی بھی ہو گی اور مذہبی بھی۔

حکومت کے مستحسن اقدام

طلوع اسلام کنونشن منعقدہ اکتوبر 1974ء کے ایک اجلاس میں حکومت پاکستان کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اس نے مذہبی امور کے فیصلوں کو اپنے دائرہ اختیار میں لا کر قرآن کریم کی جانب قدم اٹھایا مندرجہ ذیل قرار داد اتفاق رائے سے منظور کی۔

حکومت پاکستان نے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو غیر مسلم قرار دے کر ایک ایسی حقیقت کا اعتراف اور اعلان کیا ہے جسے اسی' نوے سال تک مقدس فریب کے نقابوں میں چھپایا گیا۔ حکومت کا یہ اقدام ہی کچھ کم مستحق تہنیت نہیں' لیکن جس انداز سے یہ قدم اٹھایا گیا ہے وہ اس سے بھی کہیں زیادہ در خور تحسین و آفرین ہے۔ حکومت نے قانون کی رو سے اس کا فیصلہ کر کے اس حقیقت کا گویا اعلان کر دیا ہے کہ اسلامی مملکت میں وہ تمام امور جنہیں غلط فہمی یا غلط اندیشی کی بنا پر مذہبی کہا جاتا ہے' مذہبی پیشوائیت کے دائرہ اختیار میں نہیں رہتے بلکہ مملکت کے فرائض میں داخل ہو جاتے ہیں ان کا فیصلہ علماء

کے فتوؤں سے نہیں بلکہ حکومت کے قانون کی رو سے ہوتا ہے۔

طلوع اسلام کنونشن کا یہ اجلاس مرکزی حکومت پاکستان کو اس کے اس فیصلے پر ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہوا حکومت سے متدعی ہے کہ وہ اسی طریق سے پاکستان کے جملہ مسائل (مذہبی اور دنیاوی کی تفریق کے بغیر) قرآن کریم کی روشنی میں حل کرتے جائیں۔ اس طرح یہ مملکت رفتہ رفتہ **کاملتہ**" اسلامی بن جائے گی اور وہ مقصد عظیم پورا ہو جائے گا جس کے لئے اس خطہ زمین کو حاصل کیا گیا تھا۔

اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل

نظریاتی کونسل نے طویل مدت کے بعد جو سفارشات پیش کیں ان پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی اگست 1975ء کی اشاعت میں لکھا۔

یہ ہیں وہ سفارشات جو نظریاتی کونسل نے مرتب کی ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں بیشتر ایسی ہیں جن کا دین سے براہ راست کچھ تعلق نہیں۔ وہ قومی شعائر سے متعلق ہیں۔ جن سفارشات کا دین سے براہ راست تعلق ہے وہ بھی عمومی اور فرعی حیثیت رکھتی ہیں اور " پکی روٹی " والے واعظوں کی طرف سے صبح و شام پیش ہوتی رہتی ہیں۔ان میں سے کسی کا تعلق دین کی اساس و اصول سے نہیں۔ اس وقت ہمارا معاشرہ بڑی برق رفتاری سے تباہی اور بربادی کے جہنم کی طرف بڑھے چلا جا رہا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بنیادی نظریات نگاہوں سے اوجھل ہو چکے اور گم کئے جا رہے ہیں جن کے تحفظ و استحکام کے لئے یہ مملکت وجود میں آئی تھی۔ ان نظریات کے الفاظ تو دن رات دہرائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کا متعین مفہوم کسی کے سامنے نہیں۔ کونسل کے لئے سب سے مقدم کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ ان نظریات کا مفہوم متعین کرے اور اس کی روشنی میں بتائے کہ ان پر عمل پیرا کس طرح ہوا جا سکتا ہے۔ مثال کر طور پر وہ بتائے کہ جسے نظریہ پاکستان کہا جاتا ہے وہ ہے کیا اور دو قومی نظریہ کا مفہوم و مقصود کیا ہے۔ اور وہ کون سی دو قومیں ہیں جو پاکستان میں آباد ہیں۔

نظریات سے آگے بڑھئے تو قوم کے سامنے بنیادی مسائل آتے ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم معاشی مسئلہ ہے جس نے قوم میں عجیب و غریب الجھنیں پیدا کر رکھی ہیں۔ ایک گروہ سوشلزم ہی کو اسلام قرار دے رہا ہے۔ دوسرا گروہ تنہا سوشلزم نہیں بلکہ اسلامی سوشلزم کا داعی ہے۔ نہ سوشلزم کا داعی بتاتا ہے کہ وہ ازم ہے کیا اور کس طرح عین مطابق اسلام ہے۔ نہ اسلامی سوشلزم کے مدعی بتاتے ہیں کہ سوشلزم اور اسلامی سوشلزم میں فرق کیا ہے اور انہیں (سوشلزم کے ساتھ) لفظ اسلام کے اضافہ کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی۔ تیسری طرف ہمارے مدعیان اسلام کا گروہ ہے جو سوشلزم کو کفر کا فریب انگیز نقاب قرار دے کر دونوں کو ملعون ٹھہراتا ہے اور کہتا ہے کہ اس مسئلہ کا واحد حل اسلام کا معاشی نظام ہے لیکن اس نے بھی آج تک یہ نہیں بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا جو انسانیت کے دکھوں کا واحد مداوا ہے۔ کریدنے پر وہ زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ اور صدقات کے الفاظ دہرا دیتا ہے لیکن نہ دلائل و براہین سے یہ واضح کرتا ہے کہ یہ نظام کس طرح سوشلزم سے افضل و اعلیٰ ہے اور نہ ہی اعداد و شمار سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس سے کس طرح قوم کے معاشی مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس وقت ساری قوم اس الجھن میں گرفتار ہے کہ معیشت اس کی دن بدن تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی کونسل اور تحقیقاتی ادارہ کا اولین فریضہ تھا کہ وہ اس

(اور اس قسم کے دیگر بنیادی مسائل) کے متعلق قوم کی رہنمائی کرتے اور واضح اور متعین طور پر بتاتے کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے اور وہ کس طرح اقتصادی مسائل کا واحد اور اطمینان بخش حل ہے یعنی اداروں کی حالت یہ ہے کہ یہ کوٹ پتلون کی جگہ قمیض شلوار کی سفارش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ نے قوم کی مشکلات کا اسلامی حل دریافت کر لیا۔ ہمارے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سوال پر کبھی (Seriously) غور ہی نہیں کیا۔ (یا اس کا احساس ہی نہیں کیا) کہ ان کی ذمہ داری کیا ہے اور فرائض کیا؟ انہوں نے بھی باقی قوم کی طرح دفع الوقتی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اگر انہیں اپنے فرائض (Seriously) احساس ہوتا تو اس تیرہ چودہ سال کے عرصہ میں وہ قوم کے قلب و نگاہ میں انقلاب پیدا دیتے اور اس کی علمی تحقیقاتی متاع میں ایسا اور اس قدر اضافہ کر دیتے جسے ہم دنیا کے سامنے فخر سے پیش کر سکتے۔ اس وقت (کم از کم ہم تو) اس احساس کے بارگراں سے دبے چلے جا رہے ہیں کہ کونسل کی سفارشات کو دیکھ کر دنیا کے ارباب فکر و نظر کیا کہیں گے کہ یہی تھا وہ اسلام جس کے احیاء کے لئے انہیں ایک جداگانہ' آزاد مملکت کی ضرورت لاحق ہوئی تھی..... ؟

ربو کو ختم کر کے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے

سب سے اہم سفارش ربو کو ختم کر کے زکوۃ کے نظام کا قائم کرنا ہے اور یہی سفارش اہل فکر اصحاب کی توجہ کی زیادہ متقاضی ہے۔ ہمارے ہاں کیفیت یہ ہے جب بھی معاشی نظام کا ذکر آتا ہے تو مذہبی حلقوں کی طرف سے یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ اسلام کا خود ایک معاشی نظام ہے جو تمام اقتصادی مصائب کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن جس طرح آج تک سوشلزم کے مدعیوں نے یہ نہیں بتایا کہ سوشلزم کہتے کسے ہیں؟ سوشلزم اور اسلامی سوشلزم میں فرق کیا ہے۔ اسی طرح مذہبی حلقوں نے بھی کبھی یہ نہیں بتایا کہ اسلام کا وہ معاشی نظام ہے کیا جو تمام اقتصادی مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ سمٹ سمٹا کر یہ الفاظ بار بار دہرائے جائیں گے کہ اس میں ربو کو ختم۔ اور زکوٰۃ کے نظام کو رائج کیا جائے گا۔ اور لطف یہ ہے کہ ان اصلاحات کا مفہوم بھی آج تک کسی نے نہیں بتایا۔ ربو کا ترجمہ سود کر دیا جاتا ہے اور سود سے ذہن لا محالہ اس بیاج کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو سودی قرضوں پر ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ سے ذہن اس اڑھائی فیصد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے سال کے بعد خیرات کے طور پر بانٹ دیا جاتا ہے۔ نظام زکوٰۃ سے عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے کہ اس اڑھائی (یا کچھ اور فیصد) روپے کو منظم طور پر جمع کیا جائے اور اسے حکومت ان مصارف پر خرچ کرے جو قرآن میں مذکور ہیں حالانکہ وہ مصارف بھی " صدقات " کے ہیں زکوٰۃ کے نہیں۔

طاقت کا سرچشمہ کون ہے؟

پیپلز پارٹی نے اپنے سابقہ تین " سلوگنوں میں" ایک اور کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے " طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں" اقامت دین کے مدعیوں کی طرف سے اس پر اعتراض ہوا ہے کہ ایسا کہنا شرک ہے۔ طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے۔ سوال یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے اس نعرہ کی سند کیا ہے اور مذہبی پیشوائیت کے اس دعویٰ کی حقیقت کیا ؟

اس کا جواب دیتے ہوئے طلوع اسلام نے جولائی 1977ء کی اشاعت میں لکھا۔

یورپ میں پہلے نظام ملوکیت رائج تھا جس میں طاقت کا سرچشمہ ایک فرد' یعنی بادشاہ ہوتا تھا۔ کلیسا نے اس کی جگہ لے لی تو دعوی کیا کہ طاقت کا سرچشمہ خدا ہے لیکن اس نے یہ طاقت ہمیں تفویض کر دی ہے کیونکہ ہم خدا کے نائب ہیں۔ اس طرح طاقت کا سرچشمہ پھر بھی انسان ہی رہے' لیکن ایک مقدس نقاب اوڑھے ہوئے۔ اسے تھیاکریسی کہتے ہیں۔ اس تصور کے خلاف فرانس میں انقلاب برپا ہوا تو انہوں نے دعوی کیا کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں جو ان کے منتخب کردہ نمائندوں کے ہاتھوں بروئے کار آتی ہے۔ اس کا نام نظام جمہوریت ہے جب ہمارے ہاں نظام جمہوریت کو اپنایا گیا تو یہ تصور بھی فطری طور پر اس کے ساتھ آیا کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں یہ ہے پیپلز پارٹی کے اس سلوگن کی سند۔

اقامت دین کے مدعیوں کی طرف سے جو نعرہ بلند ہوا وہ بظاہر بڑا مقدس نظر آتا ہے (کہ طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں خدا ہے) لیکن اگر آپ ذرا بنظر تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیت واضح ہو جائے گی کہ یہ نعرہ فریق مقابل کی مخالفت کے لئے ابھارا گیا ہے ورنہ ان کے نزدیک بھی درحقیقت طاقت کا سرچشمہ عوام ہی ہیں۔ اس کا بین ثبوت ہمارے سامنے ہے۔ پیپلز پارٹی کا دعوی ہے کہ عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ تھی اور انہوں نے ہمیں اکثریت میں ووٹ دیئے تھے۔ متحدہ محاذ والوں کا جواب یہ ہے کہ یہ دعوی غلط ہے کہ عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ تھی۔ پیپلز پارٹی نے دھاندلی سے ووٹوں کی اکثریت اپنی طرف دکھا دی اور اس کا ثبوت ہمارے جلسے' جلوس' ہنگامے' مظاہرے بہم پہنچاتے ہیں جن میں عوام اس کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان کا مطالبہ یہ ہے کہ انتخابات از سر نو کرائے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عوام کی اکثریت کس کے ساتھ ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اسلام کے مدعی حضرات بھی وہی کچھ مانتے اور کہتے ہیں جو پیپلز پارٹی والوں کا دعوی ہے' کہ طاقت کا سرچشمہ عوام کی اکثریت ہے۔ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر (جیسا کہ آپ کہتے ہیں) طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے۔ عوام نہیں تو پھر آپ عوام کی اکثریت کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی کیوں لگا رہے ہیں؟

بات یہ ہے کہ غیر آئینی نظام میں طاقت کا سرچشمہ براہ راست عوام ہوتے ہیں۔ وہ ہنگامہ آرائی اور بلڑ بازی سے اپنی من مانی کر لیتے یا کرا لیتے ہیں لیکن آئینی نظام میں طاقت کا سرچشمہ قانون ہوتا ہے۔

مغربی نظام جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار انسانوں کو حاصل ہوتا ہے' اس لئے طاقت بالواسطہ انسانوں ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ قران کریم نے اس تصور کی جڑ کاٹ دی کہ طاقت کا سرچشمہ انسان ہوتے ہیں' خواہ وہ انسان ایک فرد ہو' ایک جماعت ہو یا عوام ہوں۔ اس نے کہا کہ طاقت کا سرچشمہ قانون ہوتا ہے لیکن قانون سازی کا حق اور اختیار انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا۔ قوانین خدا کے متعین کردہ ہوتے ہیں۔ " کائنات کی ہر شے قوانین خداوندی کے سامنے **سربسجود** ہے " انسانوں کی دنیا میں یہ قوانین جو خدا کی کتاب میں محفوظ ہیں نظام مملکت کی رو سے نافذ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نظام ان قوانین کی قوت کو بروئے کار لانے کا ذریعہ ہوتا ہے اسے ازخود کوئی طاقت حاصل نہیں ہوتی ان قوانین کے ضابطہ کو الکتاب کہہ کر پکارا گیا ہے۔۔ قرآنی حکومت کا مسلک ہوتا ہے کہ طاقت **قابطتہ**" خدا کی کتاب میں دیئے گئے قوانین کو حاصل ہوتی ہے اور حکومت یا مملکت ان قوانین کو نافذ کرنے کا ذریعہ یا ایجنسی ہوتی ہے اور بس۔ حکومت کی ایک تیسری قسم ہے اور وہ ہے تھیاکریسی جس میں طاقت' مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔

پاکستان اور جمہوریت

نظام جمہوریت اور قرآنی نظام کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے طلوع اسلام نے اگست 1977ء کی اشاعت میں لکھا۔

اس کے بعد آپ خود اندازہ لگائیے کہ قرآنی نظام کی عمارت کن اصولوں پر استوار ہوتی ہے اور کیا مغرب کے جمہوری نظام کو کسی صورت میں بھی اسلامی کہا جا سکتا ہے؟ اسے اسلامی کہنا تو ایک طرف، وہ اسلام کی نقیض ہے۔ اس کی ضد ہے۔ اس میں کہیں خدا نہیں آتا۔ وحی نہیں آتی۔ وحی پر مبنی مستقل اصول نہیں آتے۔ غیر متبدل اقدار نہیں۔ وہ دہریت پر مبنی سیکولر نظام ہوتا ہے، اسے اسلام سے کیا واسطہ۔

کہا یہ جائے گا کہ ہم نے اپنے ہاں اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ مملکت کا مذہب اسلام ہو گا اس میں کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہو گا۔ مملکت اپنا کاروبار حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے سر انجام دے گی۔ ہمارے ہاں کی جمہوریت ان شرائط سے مشروط ہے اس لئے یہ اسلامی ہے۔

لفظی طور پر تو یہ صحیح ہے لیکن عملاً" اس کی حقیقت کیا ہے اس کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ کچھ عرصہ ہو مرکزی اسمبلی میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ جب کوئی مسودہ قانون پارلیمان کے زیر غور آئے گا تو اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق اور حدود اللہ کے اندر مقید ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں پہلے یہ تجویز کیا گیا کہ اس کا فیصلہ اسلامی مشاورتی کونسل کرے گی لیکن جب یہ دیکھا گیا کہ آئین میں اس کونسل کی حیثیت محض مشاورتی رکھی گئی ہے تو اس مقصد کے لئے کسی اور اتھارٹی کی تلاش ہوئی۔ تجویز کیا گیا اور کہ اس مقصد کے لئے سپریم کورٹ کو اتھارٹی قرار دیدیا جائے۔ ان تجاویز کے جواب میں صدر مملکت نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی تجویز بھی اختیار کی جائے اس سے پارلیمان کی (Supremacy) باقی نہیں رہتی اور یہ چیز اصول جمہوریت کے خلاف ہے۔ آپ نے دیکھا کہ آئین کو اتنی شرائط سے مشروط کرنے کے باوجود جمہوریت اسلامی نہیں بن سکی۔ اس کا تصور مغربی ہی رہا۔ جس کی رو سے (Supremacy) پارلیمان کے اراکین کی اکثریت کو حاصل ہوتی ہے اور یہ کسی خاص ذہن کا تصور نہیں اس کی وجہ ڈیماکریسی (جمہوریت) کا بنیادی تصور ہے۔

(Democracy) میں (Cracy) حکومت (Demo) یعنی عوام کی ہوتی ہے جس طرح (Autocracy) میں (Cracy) حکومت (Auto) یعنی ایک شخص کی ہوتی ہے۔ اسلام میں (Cracy) نہ ایک شخص کی ہو سکتی ہے نہ عوام کی۔ اس لئے اسلامی نظام نہ ڈیموکریسی ہو سکتا ہے نہ آٹوکریسی۔ اس میں (Cracy) کتاب اللہ کی ہوتی ہے اور یہ نظریہ ہے جو دنیا میں کہیں اور موجود نہیں۔ اور تو اور تھیاکریسی کی اصطلاح بھی اس مفہوم کی حامل نہیں اس لئے وہ بھی خلاف اسلام ہے۔ اسلامی تصور حکومت اور نظام مملکت بالکل منفرد ہے اس لئے اس کے لئے اصطلاح بھی اپنی اور منفرد ہونی چاہئے مفہوم کے اعتبار سے اسے .... (Qurano-Cracy) کہہ لیجئے۔ (اگست 1977ء صفحہ 28)

مملکت پاکستان کی حفاظت

جمہوریت کا بنیادی تصور پیش کرنے کے بعد اپنی اسی اشاعت میں طلوع اسلام نے لکھا۔

آخر میں ہم اتنی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جو مملکت بھی خدا کی حاکمیت کا اقرار کرے اس کی سر زمین کی حفاظت مسلمان کا دینی فریضہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اگر وہ خطہ زمین محفوظ رہے گا تو خدا کی حاکمیت کے دعویٰ کے عملی صورت اختیار کرنے کا امکان ہو گا۔ لیکن اگر وہ خطہ زمین ہی محفوظ نہ رہا تو خدا کی حاکمیت قائم کہاں ہو سکے گی؟ آج کوئی مسلمان اسپین کی سر زمین میں خدا کی حاکمیت کا نام تو لے کر بتائے! اس لئے کوئی سکیم یا کوئی تحریک، جس کا نتیجہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس خطہ زمین کی سالمیت کا کمزور ہو جانا ہو۔ پاکستان اور اسلام دونوں کے خلاف غداری ہے۔ اس کے برعکس مستحق صد مبارک باد ہیں وہ جو اس کی حفاظت کے لئے کوشاں ہوں۔

کلچر اسلامی کلچر

کہا جاتا ہے کہ مغربی پاکستان کے مختلف خطوں میں بسنے والے لوگوں کا کلچر مختلف ہے اس لئے ان کی قومیتیں مختلف ہیں۔ کلچر کا لفظ ایسا ہے جو آج تک شرمندہ معنی نہیں ہوا۔ کلچر کے مدعیوں سے پوچھئے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ اس کے جواب میں متعین طور پر کچھ بھی نہیں بتا سکیں گے۔ بات سمٹ سمٹا کر خوراک، لباس، تراش خراش، وضع قطع، طرز بود و ماند، یا فنون لطیفہ پر آ جائے گی ان " دانشوروں " کو کون بتائے کہ جو اسلام، وطن نسل یا زبان کے اختلاف کو بھی جداگانہ قومیت کا معیار قرار نہیں دیتا کیا وہ وضع قطع، تراش خراش یا شعر و نغمہ کے اختلاف کو معیار قومیت تسلیم کر لے گا۔ قرآن کریم، اختلاف رنگ اور زبان (الوان والسنہ) کے وجود کو تسلیم کرتا ہے لیکن وہ انہیں معیار قومیت قرار نہیں دیتا۔ اس نے جو امت واحدہ **متشکل** کی تھی اس میں عرب، ایران، شام عراق، روم، مصر، شمالی افریقہ، حبش وغیرہ کے باشندے سب شامل تھے جن میں اسلام لانے سے پہلے کوئی چیز بھی مشترک نہیں تھی۔ اسلام نے ایمان کو قدر مشترک قرار دیا تو ان اختلافات کے باوجود وہ سب ایک امت کے افراد بن گئے۔ حالانکہ اس وقت بھی ان کا طرز بودو ماند (بقول ان حضرات کے ان کا کلچر) الگ الگ تھا۔ اسلام طرز بودو ماند کو نہ چنداں اہمیت دیتا ہے نہ ہی اس سے تعرض کرتا ہے۔ مختلف ملکوں کے مسلمان اپنا طرز بودو ماند الگ الگ رکھ سکتے ہیں لیکن اس اختلاف سے وہ الگ الگ قومیتوں میں نہیں بٹ جاتے۔ اگر "کلچر" نامی کوئی شے ہے تو وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ہے اس سے مراد انداز بود و ماند نہیں بلکہ وہ ذہنیت اور نفسیاتی نگاہ مراد ہے جو مستقل اقدار کی صداقت پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ذہنیت کا مظاہرہ اور ان اقدار کو بروئے کار لانے کے طریق الگ الگ ہو سکتے ہیں لیکن اس کا ان کے ملت واحدہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

ختم نبوت کا عقیدہ

طلوع اسلام نے اکتوبر نومبر 1977ء کی اشاعت میں لکھا (صفحہ 96)

آئین پاکستان میں خدا خدا کر کے، ختم نبوت کے عقیدہ کو مسلمان ہونے کی شرط قرار دے دیا گیا۔ اس سے میرزائی حضرات (جو اپنے آپ کو احمدی کہہ کر پکارتے ہیں) دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔

1۔ جب تک ہمارے آئین میں یہ شق نہ رکھی جائے کہ مسلم اور غیر مسلم ایک قوم نہیں قرار دیئے جا

سکتے۔ نہ یہ مملکت اسلامی ہو سکتی ہے۔ نہ ہمارا آئین اسلامی۔ دو قومی نظریہ کا عملی مفہوم یہی ہے۔

2۔ جب تک ہمارے آئین میں یہ شق نہیں رکھی جاتی کہ مسلمانوں میں متعدد قومیتوں کا نظریہ اسلام کے ضد اور مملکت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے' نہ ملت واحدہ وجود میں آ سکتی ہے نہ پاکستان محفوظ رہ سکتا ہے۔

3۔ جب تک دو قومی نظریہ کو قرآن کریم کی روشنی میں ہمارے نصاب تعلیم میں داخل نہیں کیا جاتا پاکستان کا مستقبل مستحکم نہیں رہ سکتا اور

4۔ جب تک آپ قرآنی نظریہ پاکستان کو اپنی تقریروں تحریروں کا مرکزی موضوع نہیں قرار دیتے' نہ اقبالؒ کی یاد میں اجتماعات منعقد کرنے سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے نہ قائد اعظمؒ کے یوم منانے سے کوئی فائدہ۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ اگر **وطنیت** کو معیار قومیت قرار دے لیا گیا تو اس کا نتیجہ لادینی ہو گا۔ قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ اگر ہم نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر پاکستان حاصل نہ کیا تو برصغیر میں نہ مسلمان باقی رہیں گے' نہ اسلام' اور آپ مجھے اپنی زندگی کے اس ڈھلتے ہوئے دور میں اس جگر شگاف اور جاں سوز حقیقت کو زبان تک لانے کی اجازت دیجئے کہ اگر ہم نے نظریہ پاکستان اور اس کے عملی **تضمنات** کو نظر انداز کر دیا جو درحقیقت قرآن ہی کے نظریہ حیات کا دوسرا نام ہے تو اول تو یہ مملکت ہی باقی نہیں رہ سکے گی کیونکہ اس کی وجہ جواز ہی ختم ہو جائے گی اور اگر یہ باقی بھی رہی تو یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ نہیں بن سکے گی جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا اس سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑے گا کہ وہ اپنے ظہور (غلبہ) کے لئے کوئی اور خطہ زمین تلاش کر لے گا۔ لیکن ہمارا وجود باقی نہیں رہے گا۔

شریعت میں بینچوں کی تشکیل

طلوع اسلام نے جنوری 1979ء کی اشاعت میں شریعت **بینچوں** کی تشکیل کے سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

ہمارے نزدیک پچھلے ماہ (دسمبر) ہی کا نہیں بلکہ پچھلے سال 1978ء کا سب سے اہم واقعہ شریعت **بینچوں** کی تشکیل کے متعلق صدر مملکت کا اعلان ہے۔ شریعت **بینچوں** کی تشکیل کے فیصلے کو ملک میں عام طور پر سراہا گیا ہے' ان کے خلاف بنیادی طور پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اتنے قوانین کو ان کے دائرہ کار سے خارج قرار دے دیا گیا ہے کہ باقی قوانین بہت کم رہ جاتے ہیں۔۔۔ ہمارے پیش نظر مقصد کے لئے سر دست اسے کچھ اہمیت نہیں کہ کتنے قوانین شریعت **بینچوں** کے دائرہ اختیار کے تابع رکھے گئے ہیں اور کتنے اس سے **مثتنٰی** ہیں۔ ہماری بحث اصول سے ہے' قوانین کی تعداد سے نہیں اور یہی وہ اصولی نکتہ ہے جس کی بناء پر ہم نے اس اعلان کو سال گذشتہ کا اہم ترین فیصلہ قرار دیا ہے۔

دین (الاسلام) کا **منتہٰی** تمام نوع انسان کو ایک عالمگیر برادری کی شکل میں **متشکل** کر دینا تھا۔ اس جامعیت کی بنیاد ضابطہ حیات و قوانین کی وحدت تھی' جو خدا کی کتاب کے اندر محفوظ ہے۔ اس عالمگیر برادری کی تشکیل کے پروگرام کی ابتداء ایک امت کی تشکیل سے کی گئی جسے امت مسلمہ یا جماعت مومنین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ الدین (الاسلام) اور وحدت امت لازم و ملزوم ہیں۔

صدر اول کے بعد یہ امت مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور اس طرح الدین کہ جگہ مذہب نے لے لی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ آزاد خطہ زمین کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا کہ پھر سے امت میں وحدت پیدا کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ وحدت قانون کی وحدت کے بغیر ممکن نہ تھی اور قانون کی وحدت کتاب اللہ کی بنیادوں پر قائم کی جا سکتی تھی۔ جسے تمام فرقے متفقہ طور پر ایمان کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے مذہبی فرقے اس کے لئے تیار نہ ہوئے کیونکہ امت کی وحدت سے فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔ انہوں نے مطالبہ یہ پیش کیا کہ قانون کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی جائے۔ بظاہر یہ مطالبہ بڑا معصوم اور مقدس تھا لیکن اس سے مقصد فرقوں کے وجود کو باقی رکھنا اور امت میں وحدت پیدا نہ ہونے دینا تھا۔ یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں ہر فرقہ کی اپنی اپنی فقہ (ضابطہ' قانون) اور یہ **فقہیں** ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان فقہوں میں ایک اختلاف شیعہ اور سنی کا ہے۔ پھر سنیوں میں اہل حدیث اور اہل فقہ (حنفی حضرات) کا' اگرچہ حنفیوں میں بھی دیو بندی اور بریلوی حضرات میں عقائد کے اعتبار سے سخت اختلاف ہے بہرحال یہاں کم از کم تین فقہیں تو مسلم ہیں۔ شیعہ حضرات کی فقہ۔ اہل حدیث کی فقہ اور حنفیوں کی فقہ۔ ان میں سے ہر فرقہ اپنی فقہ۔ اور اس فقہ کے ہر حکم کے متعلق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ سنت رسول اللہ کے مطابق ہے۔ ان میں باہمی اختلافات کے سلسلہ میں جو مباحثے یا مناظرے ہوئے ہیں ان میں ہر فرقہ اپنے ہاں کی سنت کو صحیح قرار دیتا ہے اور دوسروں کے ہاں کی سنت کو نا قابل اعتماد۔ ان فقہوں کا تعلق بیشتر پرسنل لاز (یعنی شخصی قوانین) سے ہے۔ انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں روش یہ اختیار کی کہ پرسنل لاز کی حد تک مسلمانوں کے ہر فرقے کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی اپنی فقہ پر عمل کرتے رہیں۔ پبلک لاز' حکومت نے اپنے احاطہ اختیار میں رکھ لئے۔ ان قوانین کا اطلاق تمام لوگوں پر یکساں ہوتا تھا۔ یہی صورت حال تشکیل پاکستان کے بعد یہاں بھی تھی۔ لیکن اگر اس مملکت کو اسلامی بنانا تھا تو پھر یہ صورت حال باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ اسلامی مملکت میں پرسنل لاز اور پبلک لاز الگ نہیں ہوتے۔ ایک ہی قانون ہوتا ہے جو ساری امت پر یکساں طور پر لاگو ہوتا ہے اس سے فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔ لیکن یہ حضرات فرقوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس کے لئے انہوں نے یہ دعویٰ اور مطالبہ کیا کہ پرسنل لاز ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے اور پبلک لاز کتاب و سنت کی بنیادوں پر سب کے لئے مشترک بنایا جائے گا۔

طلوع اسلام نے کہا کہ کتاب و سنت کی بنیادوں پر کوئی پبلک لاء بھی ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے تمام فرقے مشترک اسلامی تسلیم کر لیں اور اس کی وجہ ظاہر تھی کہ سنت کے جس اختلاف پر پرسنل لاء مشترک نہیں بن سکتا تھا۔ سنت کے اسی اختلاف کی بناء پر ایک مشترک پبلک لاء کیسے وجود میں آ سکتا تھا؟ چونکہ یہ حضرات نہیں چاہتے تھے کہ سنت کا یہ اختلاف ایک حقیقت بن کر قوم کے سامنے آ جائے۔ اسلئے انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ مشہور کر دیا جائے کہ طلوع اسلام والے منکر سنت ہیں۔ مودودی صاحبؒ نے بیس برس کے بعد اس کا اعتراف تو کر لیا کہ کتاب و سنت کی بنیادوں پر فی الواقعہ پبلک لاء کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں ہو سکتا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر تسلیم کر لیں۔ لیکن مطالبہ ان کا بھی یہی رہا کہ پبلک لاز کا ضابطہ کتاب و سنت کے مطابق مرتب کیا جائے ان حضرات نے مطالبہ تو یہ جاری رکھا لیکن ایسا کوئی موقع پیدا نہ ہونے دیا جس سے یہ حقیقت قوم کے سامنے ابھر کر آ جائے کہ سنت کے متعلق ان حضرات کے باہمی اختلافات

اسقدر گہرے اور شدید ہیں کہ اس کی رو سے کوئی ایسا ضابطہ قانون مرتب نہیں ہو سکتا جسے یہ حضرات متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ شریعت **بینچوں** کی تشکیل سے متعلق مذکورہ بالا جیسے احکام اس قسم کا موقع ہی نہ پہنچا دیں گے۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی بناء پر ہم نے اس فیصلے کو اہم ترین قرار دیا ہے۔ یہ نکتہ ذیل کی مختصر مثالوں سے واضح ہو جائے گا۔

(پرسنل لاز کے شریعت **بینچوں** کے حیطہ اختیار میں آنے کے بعد) ایک اہل حدیث حنفیوں کے قانون طلاق کو چیلنج کر سکے گا کہ وہ سنت کے مطابق نہیں یہ چیلنج مناظرہ نہیں بلکہ ایک مقدمہ ہو گا جو عدالت میں زیر بحث آئے گا شریعت بینچ اس کے متعلق فیصلہ دے گا اور وہ فیصلہ' ضروری مراحل طے کرنے کے بعد ملک کا قانون بن جائے گا جس کا اطلاق اہل حدیث اور حنفی حضرات دونوں پر یکساں ہو گا۔ یہ قانون جس فرقہ کے خلاف جائے گا اس کا اس باب میں رد عمل کیا ہو گا اس کی بابت ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ یہ معاملہ حکومت اور فرقہ کے مابین ہو گا۔ اسی قسم کی صورت ہر قانون کے بارے میں ہو گی۔ اور شیعہ' سنی' حنفی' اہل حدیث سب فرقوں کو متاثر کرے گی۔ اگر شریعت **بینچوں** کے اس قسم کے فیصلے برقرار رہے تو رفتہ رفتہ قانون کی وحدت پیدا ہو جائے گی اور فرقے باقی نہیں رہیں گے۔۔۔ یہ خواب تو بڑا حسین ہے۔ دیکھیں اس کی تعبیر کیا نکلتی ہے۔

شریعت بینچوں کے لئے فیصلے کا مدار قرآن و سنت سے مطابقت ہو گا۔ ابھی تک ہم نے سنت کے بارے میں اختلافات کا ذکر کیا ہے لیکن ایسے قوانین بھی تو ہوں گے جو سنت کے مطابق لیکن قرآن کے خلاف ہوں گے (جیسے قانون وصیت یا سنگسار کرنے کا قانون) ایسے قوانین کی صورت میں معلوم نہیں شریعت بینچ کیا فیصلہ دے گی اور کس طرح فیصلہ کرے گی۔ اگر وہ سنت کے مطابق قانون مرتب کریں گے تو وہ قرآن کے خلاف جائے گا اور قرآن کے مطابق فیصلہ دیں گے تو وہ سنت کے خلاف ہو گا اور شرط ان پر یہ عائد کی گئی ہے کہ ان کا فیصلہ کتاب اور سنت دونوں کے مطابق ہونا چاہیے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر شریعت بینچوں سے متعلق احکام پر محکمیت سے عمل درآمد کیا گیا اور شریعت بینچوں نے عادلانہ دیانتداری کو ملحوظ رکھا (جس کی ہمیں پوری پوری توقع ہے) تو رفتہ رفتہ قوانین کتاب اللہ کے مطابق مرتب ہوتے جائیں گے اور سنت کے صحیح اور غلط ہونے کے متعلق یہ معیار تسلیم کیا جائے گا کہ وہی سنت' سنت رسول اللہؐ ہو سکتی ہے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو یہ فیصلہ ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ قرار پا سکتا ہے لیکن اس پر عملدرآمد کے لئے بڑی مومنانہ فراست اور قلندرانہ جرات کی ضرورت ہو گی۔

یاد رکھئے! وحدت امت اور اس کے بعد وحدت انسانیت کا مدار وحدت قانون پر ہے اور قانونی وحدت اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب اس کی بنیاد کتاب اللہ پر ہو جو تمام نوع انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے۔

شرعی سزاؤں کا نفاذ

طلوع اسلام نے فروری 1979ء کی اشاعت میں اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا۔

ملک میں اسلامی نظام کے احیاء کی خواہش بڑی مبارک و مسعود ہے لیکن خواہش کیسی ہی مبارک اور

نیک کیوں نہ ہو اس کی صحیح نتیجہ خیزی کے لئے حسن تدبر لازم اور لابنفک ہے۔ کتنی ہی نیک خواہش اور مبارک ارادے ہیں جو عدم تدبر کی وجہ سے نہ صرف ناکام رہ جاتے ہیں بلکہ تخریبی نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے کتاب کے ساتھ حکمت کو بھی جو منزل من اللہ قرار دیا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ کتاب کے معنی قانون کے ہیں اور حکمت سے مراد وہ حسن تدبر ہے جس کی رو سے اس قانون کو نافذ کیا جاتا اور صحیح نتائج برآمد کرنے کا ضامن بنایا جاتا ہے۔ اس حسن تدبر میں ترجیحات (Priorities) یا تدریج کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

معاشرہ کی اصلاح کا آغاز بچوں کی صحیح پرورش اور تربیت سے ہوتا ہے پھر ان کی تعلیم صحیح خطوط پر کی جاتی ہے معاشرہ میں حالات ایسے پیدا کئے جاتے ہیں جن سے قانون کا احترام اور اتباع' افراد معاشرہ کا اندرونی تقاضا بن جائے۔ قانون کے قیام و استحکام کے لئے ایسی انتظامیہ وجود میں لائی جاتی ہے جو ہر قسم کی لغزش سے منزہ ہو۔ اس قسم کے اہتمامات اور انتظامات کے بعد اگر معاشرہ میں ایسے نفسیاتی مریض باقی رہ جائیں جن کے دیوانہ پن سے معاشرہ کو نقصان کا اندیشہ ہو تو معاشرہ کی حفاظت اور خود ان کی اصلاح کے لئے سزائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ معاشرتی اصلاح میں سزاؤں کی باری سب سے آخر میں آتی ہے۔

ہماری سوچ کا بنیادی نقص یہ ہے کہ ہم مرض کے علاج کے لئے علت مرض (مرض کے بنیادی سبب) کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ علامات مرض کی سطحی مرہم پٹی کو علاج سمجھ لیتے ہیں اس نکتہ کو ذرا غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جن جرائم کی شرعی سزاؤں کے نفاذ کا پروگرام زیر تجویز ہے (یعنی چوری' زنا' شراب نوشی وغیرہ) مروجہ قوانین کی رو سے بھی وہ جرائم ہیں اور ان کی سزائیں بھی مقرر ہیں اس کے باوجود یہ شکایت عام ہے کہ حقیقی مجرموں کو سزائیں نہیں ملتیں اور بے گناہ پکڑے اور مارے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یہاں رشوت کا چلن عام ہے۔ اس باب میں پہلے تو پولیس ہی بدنام تھی اب عام عدالتوں کے بارے میں بھی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اثبات جرم کے لئے جس طرح شہادات وضع کی جاتی ہیں اس کا بھی کسے علم نہیں۔

اب سوچئے کہ تفتیشی اور عدالتی مشینری تو ویسے ہی رہے اور سزائیں کر دی جائیں زیادہ سخت' تو کیا اس سے جرائم کی اصلاح ہو جائے گی؟ اصلاح تو ایک طرف' اس سے خرابی اور بڑھ جائے گی۔ بات واضح ہے اگر کسی جرم کی سزا ہاتھ کاٹ دینا یا سنگسار کر دینا ہو تو رشوت کا ریٹ آسمان سے باتیں کرنے لگ جائے گا۔ ملزم اپنا گھر بار بیچ کر بھی رشوت کا مطالبہ پورا کرے گا۔ اس ایک مثال سے آپ اندازہ لگا لیجئے۔ کہ تفتیشی مشینری اور نظام عدل کی اصلاح کے بغیر سزاؤں کی سختی کیا نتائج پیدا کرے گی۔ اسلامی نظام کا آغاز سزاؤں سے کرنے کا ایک نقصان تو وہ ہو گا جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یعنی اس سے رشوتوں کے دروازے وسیع ہو جائیں گے لیکن اس سے بھی زیادہ نقصان ایک اور ہو گا۔ ہم نے صدیوں کے بعد اسلامی نظام کے احیاء کا دعویٰ اور اس کے انسانیت ساز نتائج کا فردوس بداماں منظر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس وقت ساری دنیا کی نگاہیں' اس منظر کو دیکھنے کے لئے ہماری طرف لگ رہی ہیں۔ اگر زیر نظر تجربہ ناکام رہا تو دنیا ہمارے متعلق جو کہے گی سو کہے گی وہ اسلام کے متعلق اپنے اس خیال میں پختہ ہو جائے گی کہ یہ ایک چلا ہوا کارتوس ہے جو زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اور ان کے اس پروپیگنڈہ سے خود

ہمارے ہاں کا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ متاثر ہو کر اسلام کی طرف سے بددل ہو جائے گا۔ اور اس کی یہ بددلی خود پاکستان کے مستقبل کو بری طرح مجروح کر دے گی یہ ایسا نقصان ہو گا جس کی تلافی نہیں ہو سکے گی۔

اسلام میں سیاسی پارٹیوں کا تصور

صدر مملکت نے اپنے (India Today) کے انٹرویو میں' ایک سوال کے جواب میں یہ بھی کہا کہ اسلام میں **پولیٹکل پارٹیز** (سیاسی جماعتوں) کا تصور ہی نہیں ہے۔ جو چیز بھی دو مسلمانوں میں اختلاف اور افتراق (Rift) پیدا کرنے کا موجب ہو وہ غیر اسلامی ہے اور سیاسی جماعت کا پہلا اصول اختلاف اور افتراق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (پاکستان ٹائمز یکم مارچ 1980ء)

طلوع اسلام نے اپریل 1980ء کی اشاعت میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

صدر مملکت نے بالکل بجا فرمایا کہ جو چیز بھی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب ہو وہ خلاف اسلام ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سیاسی جماعتیں بھی امت میں تفرقہ پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہیں اس لئے ان کا وجود بھی خلاف اسلام ہے لیکن سیاسی جماعتوں سے کہیں زیادہ تفرقہ کا موجب مذہبی فرقے ہیں۔ اس لئے ان کا وجود غیر اسلامی ہے۔ سیاسی جماعتیں تو بنتی ہیں' بگڑتی ہیں' ابھرتی ہیں' مٹتی ہیں' انہیں (Ban) بھی کیا جا سکتا ہے۔ کالعدم بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن مذہبی فرقے اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں اور امت میں تفرقہ ہی نہیں' شاید نفرت اور عداوت پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کا موجب ہیں۔ انہیں نہ مٹایا جا سکتا ہے نہ (Ban) کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کا پیدا کردہ تفرقہ عارضی اور تغیر پذیر ہوتا ہے لیکن مذہبی فرقوں کا پیدا کردہ تفرقہ مستقل اور غیر متبدل ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس معاشرہ میں تفرقہ انگیزی کی ایسی شدید (اور غیر اسلامی) علت موجود ہو' اس میں اسلامی نظام کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم نے تو بہ نص صریح فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے (30/30-31) اس لئے امت میں وحدت پیدا اور اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے سیاسی پارٹیوں اور مذہبی فرقے دونوں کو مٹانا ضروری ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ مذہبی فرقے تو مٹائے نہیں جا سکتے تو پھر اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ بحالت موجودہ اسلامی نظام قائم نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنی فقہ قابل تسلیم نہیں

حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کے متعلق ایک قانون وضع کیا اور اسے پبلک لاء کی حیثیت سے نافذ کیا۔ یعنی ایسا قانون جس کا اطلاق سب پر یکساں ہو۔ اس کے خلاف فرقہ وارانہ احتجاج ہوا تو حکومت کو اس قانون کو شخصی قانون (Personal Law) کی شکل دینی پڑی اور احکام جاری کر دیئے گئے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے اس کے لئے آئین پاکستان میں بھی ترمیم کی گئی۔ اس نظیر (Precedence) کی رو سے یہ نظر آتا ہے کہ ملک میں شاید ہی کوئی پبلک لاء نافذ ہو سکے۔ جب فقہ غالب رہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ پر عمل کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

زکوٰۃ کے متعلق جو کہا گیا کہ ہر فرد اپنی اپنی فقہ کے مطابق ادا کر سکتا ہے تو اس سے ایک عجیب لیکن نہایت عبرت آموز حقیقت سامنے آئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ فقہ قرآنی کے پابند ہیں اس لئے وہ اس کے مطابق عمل کریں گے۔ انہیں جواب ملا کہ قرآنی فقہ مسلمہ فقہ نہیں۔ اس لئے آپ اس کے مطابق عمل نہیں

کر سکتے۔ یا تو آپ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہوں میں سے کسی فقہ پر عمل کریں اور یا پھر قانون مملکت کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں۔ یعنی انسانوں کی وضع کردہ فقہیں تو مسلمہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ فقہ قابل تسلیم نہیں ! یا للعجب! یہود و نصاریٰ تو خدا کے ساتھ اپنے علماء و مشائخ کو خدا بناتے تھے یہاں کہا جاتا ہے کہ تم صرف فقہ کو خدا بنا سکتے ہو۔ خدا کو نہیں۔ (طلوع اسلام جنوری 1982ء صفحہ 23-22)

فرقے کیسے بنتے ہیں؟

طلوع اسلام نے اگست 1982ء کے شمارہ میں اس موضوع پر شرعی عدالت کے دو فیصلوں کی مثال دیتے ہوئے لکھا۔

پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا کہ رجم (سنگساری) کی سزا کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ حکومت نے عدالت کی تدوین نو کی اور اس سے کہا کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ عدالت نے نظرثانی کے بعد فیصلہ صادر کیا کہ رجم کی سزا کتاب و سنت کے مطابق ہے۔

اس وقت تو دونوں عدالتیں مملکت پاکستان کے زیر قوانین ہیں اس لئے ملک میں دوسرا فیصلہ ہی نافذ ہو گا۔ لیکن بعد کے زمانے میں، جب نہ یہ مملکت ہو گی، نہ عدالتیں۔ تاریخ کے سامنے دو فیصلے ہوں گے، ایک دوسرے سے متضاد، اور دونوں کی بنیاد اس دعویٰ پر ہو گی کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہیں۔ ایک گروہ اس "کتاب و سنت" کی پیروی کرے گا جس کی رو سے رجم خلاف اسلام قرار دیا گیا تھا دوسرا گروہ، دوسرے فیصلے کی۔ دونوں فیصلے فقہ کے مجموعوں میں شامل ہو جائیں گے اور اس طرح دو فقہی فرقے وجود میں آ جائیں گے موجودہ فرقوں کی طرح بھی کچھ اس طرح پڑی تھی۔ فیصلہ کی بنیاد اگر قرآن خالص کو قرار دے دیا جاتا تو نہ موجودہ عدالتیں دو متضاد فیصلے دیتیں نہ بعد میں دو فرقوں کے وجود میں آنے کا امکان رہتا۔

نظریہ ضرورت

نظریہ ضرورت کیا ہے ؟ اور یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی ، عوام کے **استفسارات** پر طلوع اسلام نے فروری 1983ء کی اشاعت میں لکھا۔

آج کل ہمارے ہاں اسی قسم کی ایک نظری بحث اس عنوان کے تحت چل رہی ہے۔ کہ " نظریہ ضرورت " اسلامی ہے یا غیر اسلامی، یعنی یہ تو ابھی تک یہاں طے نہیں پایا کہ کسی بات کے اسلامی قرار پانے کا معیار کیا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ کسی کو چھینک بھی آ جائے تو اس کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے پر بحث چھڑ جاتی ہے۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ نظریہ ضرورت کا مفہوم کیا ہے؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ حق اور باطل جائز اور ناجائز کے کوئی ایسے حدود نہیں جنہیں کسی حالت میں بھی توڑا جا سکے۔ مصلحت کا تقاضا ہو تو ناجائز بھی جائز قرار پا سکتا ہے۔ یہ نظریہ سیکولرازم کا ہے۔ جس کا بانی اٹلی کا مشہور سیاست دان میکیاولی تھا۔

طلوع اسلام نے میکاولی (Rumelin) فریڈرک ورم وغیرہ علمبرداران کے اقتباسات پیش کرتے ہوئے لکھا۔

یہ ہے وہ نظریہ ضرورت جس پر سیکولرازم کی عمارت استوار ہے اور جو آج کل اقوام عالم کا سیاسی

مسلک ہے۔ (اور جس کی وجہ سے یہ دنیا جہنم بن رہی ہے) اس نظریہ کے مفہوم کے متعلق کسی فلسفیانہ بحث کی ضرورت نہیں' یہ صبح سے شام تک بیسیوں مرتبہ ہمارے سامنے آتا ہے جب آپ کسی کو کہتے ہیں کہ تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ تو وہ کھٹ سے جواب میں کہہ دیتا ہے کہ " مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں جھوٹ بولتا" یعنی وہ سچا اس وقت تک رہتا ہے جب تک اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہ ہو۔ ضرورت ہو تو وہ بلا توقف جھوٹ بول دے گا۔

اسلامی یا غیر اسلامی

ہمارے ہاں اس نظریہ کے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی ! اس نظریہ کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کی بحث لاہور ہائیکورٹ کے (حالیہ) چیف جج' جسٹس جاوید اقبال کے اس بیان سے ہوئی جو انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں دیا تھا۔ اخبار میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق۔

انہوں نے کہا کہ " نظریہ ضرورت " ایک اسلامی نظریہ ہے ۔ اس کی سب سے پہلے وضاحت ایک مسلمان مفکر الماوردی نے کی تھی لیکن کم علمی کی وجہ سے لوگ اس نظریہ کو ایک غیر مسلم سے منسوب کر رہے ہیں۔ (جنگ لاہور مورخہ 8۔ نومبر 1982ء)

صدیوں کی غلامی سے قوم میں خود اعتمادی کے فقدان' اور ذمہ داری قبول کرنے سے گریز کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں اس کا نتیجہ تقلید ہوتا ہے۔ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ بجائے اس کے کہ مسئلہ زیر نظر کے متعلق انسان خود تحقیق کرنے کے بعد پوری خود اعتمادی کے ساتھ کسی نتیجہ پر خود پہنچے۔ وہ اسلاف میں سے کسی کو بطور سند پیش کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے اپنے دعویٰ کے حق میں ثبوت مہیا کر دیا۔ الماوردی' دور عباسیہ (پانچویں صدی ہجری) کا ایک فقیہ اور سیاست دان تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس کا کوئی قول یا نظریہ (اسلامی ہونے کی حیثیت سے) ہمارے لئے سند کیسے قرار پا سکتا ہے؟ مودودی (مرحوم) کے الفاظ میں " یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔" (تفہیمات حصہ دوم 1951ء ایڈیشن صفحہ 426)

الماوردی کا سند پانا تو ایک طرف یہ بھی طے نہیں پا سکا کہ اس نے یہ کچھ کہا بھی ہے یا نہیں اس کے بعد طلوع اسلام نے لکھا۔

ہمیں حیرت ہے کہ یہ حضرات ہزار سال پہلی کی سند پیش کرتے ہیں تو ان کی نگاہ خود اپنے دور کے ایک " مجتہد" اور اقامت دین کے داعی کی طرف کیوں نہیں اٹھتی؟ ہماری مراد سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) سے ہے جنہوں نے اس زمانے میں " نظریہ ضرورت " کو بڑے طمطراق سے پیش کیا تھا۔ بات یوں ہوئی کہ ان کے کچھ نامور رفقاء نے ان کے خلاف کچھ الزامات عائد کئے جن کے جواب میں انہوں نے اس نظریہ کو پیش کیا۔ جھوٹ بولنے کے جواز میں انہوں نے کہا۔

راست بازی و صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہیں اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔(ترجمان القرآن مئی 1958ء صفحہ 54)

یہ اور دیگر اقتباسات پیش کرنے کے بعد طلوع اسلام نے لکھا۔

"نظریہ ضرورت" کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے کیا یہ سندات کافی نہیں جو الماوردی کو بحث میں لایا جائے؟ پاکستان میں ویسے بھی مودودی مرحوم کے برانڈ کا اسلام رائج کیا جا رہا ہے۔ اس میں یہ نظریہ بھی شامل ہو جائے گا۔ مودودی مرحوم نے یہ ارشادات رقم فرمائے تھے تو (ان کے مذکورہ بالا رفقا تو ان سے علیحدہ ہو گئے تھے لیکن اس پر مذہبی حلقوں میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ لہٰذا ان کی طرف سے اب بھی اعتراض نہیں ہو گا۔ اعتراض طلوع اسلام نے کیا تھا اور حسب معمول گالیاں کھائی تھیں۔

نظریہ ضرورت درحقیقت سیکولرازم کا دوسرا نام ہے

تصریحات بالا سے واضح ہے کہ "نظریہ ضرورت" درحقیقت سیکولرازم کا دوسرا نام ہے۔ سیکولرازم کا مفہوم یہ ہے کہ انسان پر خارج سے عائد کردہ کوئی پابندی نہیں وہ اپنے (انفرادی اور اجتماعی) امور کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہے جیسا (مصلحت کا تقاضا ہو ویسا کر لیا جائے) یہ ہے سیکولرازم یا نظریہ ضرورت' شخصی حکومتوں میں ایسے فیصلہ سربراہ مملکت کرتا ہے۔ مغرب کے جمہوری نظام میں' انسانوں کی اکثریت۔

اسلام اس نظریہ کی ضد ہے۔

اسلام اس نظریہ' ازم اور مسلک کی بالکل ضد ہے (جب ہم اسلامی کہیں گے تو اس کی سند قرآن کریم ہو گی) اس کا موقف یہ ہے کہ انسانی زندگی (انفرادی اور اجتماعی) کے لئے خدا نے کچھ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں جو ان پابندیوں کو تسلیم کرتا ہے اسے مسلم کہا جاتا ہے اور جو نظام ان پابندیوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کار فرما ہوتا ہے اسے اسلامی نظام یا اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ یہ پابندیاں (یا حدود) اقدار' اصول' احکام اور قوانین کی شکل میں قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں۔ یہی وہ حقیقت کبریٰ تھی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ "ہماری آزادی اور پابندی کے حدود خدا کی کتاب متعین کرتی ہے" - یہ پابندیاں ابدی ہیں اور غیر متبدل۔

اسی شمارہ میں طلوع اسلام آگے چل کر لکھتا ہے۔

اس سلسلہ میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اس کی ضرورت پیش آ گئی وہ اس طرح کی نظریہ ضرورت کو اسلامی ثابت کرنے کے لئے قرآن کے اس **استثنا** کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہ معلوم کر کے آپ حیرت ہو گی کہ اسے پیش کیا گیا ہے' وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس شیخ آفتاب حسین کی طرف سے انہوں نے فرمایا ہے۔ "نظریہ ضرورت کو قرآن مجید نے جائز قرار دیا ہے اور پوری اسلامی تاریخ میں نظریہ ضرورت کار فرما نظر آتا ہے" انہوں نے قرآن مجید کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ "موت سے بچنے کے لئے سور کا گوشت کھانا حلال ہے یہ سور کا گوشت نظریہ ضرورت کے تحت ہی حلال ہوتا ہے۔ (جنگ لاہور 19 نومبر 1982ء)

موصوف کی اس دلیل پر قرآن کریم کی روشنی میں تبصرہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے لکھا۔

اس سلسلہ میں بصد ادب گذارش ہے کہ قرآن کریم نے "اضطرار کا لفظ استعمال کیا ہے ضرورت کا نہیں۔ ضرورت کا لفظ تو سارے قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ ضرورت اور اضطرار کا فرق عربی لغت سے واقف

حضرات پر روشن ہے (جیسا کہ متعلقہ آیات کے ترجمہ کے سلسلہ میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے) مولانا محمود الحسنؒ نے اضطرار کا ترجمہ۔ بے اختیاری اور لاچارگی کیا ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔" پھر جو کوئی بے بس ہو جائے "

قرآن مجید کے انگریزی **مترجمین** نے اس کا ترجمہ (Compelled) Forced کیا ہے (Lane) نے اپنے لغت میں لکھا ہے۔ (Forced or Driven to against his will) ان تراجم اور معانی سے ضرورت اور اضطرار کا فرق واضح ہو جائے گا۔ قرآن مجید نے اس مجبوری اور بے بسی کو بھوک کے ساتھ وابستہ کیا ہے یہ ایسا طبعی تقاضا ہے جس سے متعلقہ شخص بھی محسوس اور معلوم کر سکتا ہے کہ اضطراری (مجبوری کی) حالت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں اور دوسرے لوگ بھی اسے محسوس اور معلوم کر سکتے ہیں۔ بر عکس اس کے " ضرورت " کوئی محسوس اور مرئی کیفیت نہیں۔ ویسے بھی ہر شخص کا " ضرورت " کا پیمانہ اپنا اپنا ہوتا ہے۔ ایک چیز ایک شخص کے نزدیک ضرورت ہے دوسرے کے نزدیک ضرورت نہیں۔ اگر حرام شے کو حلال قرار دے لینے کا معیار اپنی اپنی ضرورت ہو تو معاشرہ میں جس قسم کی فوضویت (Anarchy) پیدا ہو جائے گی' ظاہر ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت خود دی ہے کسی اور کو اس کا مجاز نہیں ٹھہرایا۔ (3) یہ اجازت صرف اس مخصوص حالت (بھوک کی وجہ سے مجبوری) کے ضمن میں ہے کسی انسان کو اس کا اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس اجازت کا سہارا لے کر اپنی ضرورت کے مطابق ہر ناجائز کو جائز قرار دے لے۔ محترم جسٹس اس قانونی نکتہ سے بخوبی واقف ہوں گے کہ کسی مقید قانون کو مطلق قرار دے لینے سے قانون کی حیثیت ہی کچھ نہیں رہتی۔ خود قرآن کریم نے بھی اس کے سوا کسی حالت کو اضطراری قرار نہیں دیا ہے۔ جسٹس ممدوح نے فرمایا ہے کہ " پوری اسلامی تاریخ میں نظریہ ضرورت کار فرما نظر آتا ہے " سو گذارش ہے کہ ہماری یہ تاریخ " اسلامی تاریخ " نہیں۔ دور ملوکیت کی تاریخ ہے جو اسلام کی ضد ہے۔ ملوکیت کا تو تمام کاروبار " نظریہ ضرورت " کے تحت چلتا ہے۔ اس میں کسی قاعدے اور قانون کی پابندی ہوتی نہیں۔ صاحب اقتدار کی ضرورت اور مصلحت مملکت کا قانون قرار پا جاتی ہے۔ اس کے برعکس خلافت اسلامی مملکت' قرآن مجید کی عائد کردہ پابندیوں کے دائرے میں گھری ہوتی ہے اور کسی مصلحت کے تحت بھی ان سے تجاوز نہیں کر سکتی۔

استخلاف پوری امت کے لئے ہے

استخلاف فی الارض کسی ایک فرد کو نہیں پوری امت کے لئے ہے۔ اس سلسلہ میں طلوع اسلام نے مارچ 1983ء کی اشاعت میں لکھا۔ قرآن کریم کی رو سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے حق حکومت حاصل ہے۔ یا خدا نے اسے اس منصب کے لئے مامور کیا ہے۔ حضور نبی اکرمؐ اسلامی مملکت کے سب سے پہلے سربراہ تھے لیکن ان کی یہ سربراہی رسول ہونے کی حیثیت سے تھی' اس لئے وہ تو ایسا کہنے میں حق بجانب تھے کہ انہیں اس منصب کے لئے خدا نے مامور کیا ہے۔ نبوت حضورؐ پر ختم ہو گئی۔ اس لئے حضورؐ کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے اس منصب پر خدا نے فائز کیا ہے اور ان ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے وہ مامور من اللہ ہے۔ ایسا کہنا یا تو دعوئے نبوت کے مترادف ہے.... یا تھیاکریسی ' جو (دونوں) اسلام کی نقیض ہیں۔ اسلام کی رو سے' نہ سلطان زمین پر خدا کا سایہ (**ظل اللہ علی الارض**) ہوتا ہے۔ نہ

خدائی اختیارات (Divine Rights) کا حامل وہ دیگر افراد امت جیسا امت کا ایک فرد ہوتا ہے۔ استخلاف پوری کی پوری امت کے لئے ہے اور جس شخص کو امت اپنے میں سے منتخب کر لے وہ اس مملکت کا سربراہ ہو سکتا ہے اور اس وقت تک سربراہ رہ سکتا ہے جب تک اسے امت کی تصویب (رضا مندی) حاصل ہے۔ خدا نہ کسی کو مقرر کرتا ہے نہ بر طرف۔

احکام شریعت

شریعت اس راستے کو کہتے ہیں کہ جو ندی کی طرح روح رواں ہو جو اس ندی کی طرف جائے جو رواں ہو اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے طلوع اسلام نے اپنی مندرجہ بالا اشاعت میں لکھا۔

اسلامی مملکت میں اصول و اقدار غیر متبدل ہوں گے۔ ان میں نہ تغیر و تبدل ہو گا' نہ حک و اضافہ۔ مملکت کا فریضہ یہ دیکھنا ہو گا کہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان اصول و اقدار و احکام کو نافذ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اس کا فیصلہ امت کی منتخب کردہ مجلس مشاورت (اسے آج کی اصطلاح میں پارلیمان کہہ لیجئے) کرے گی اس کے لئے ان اٹھارہ علوم کی قطعاً" ضرورت نہیں ہو گی جنہیں حاصل کرنے کے بعد بیچارہ طالب علم نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔ اس لئے کہ وہ ایک وقت کی روٹی کمانے کے بھی قابل نہیں رہتا۔ اس مقصد کے لئے ضرورت اتنی ہو گی کہ قرآن کریم پر گہری نگاہ ہو اور اپنے زمانے کے تقاضوں اور تحریکوں کا علم ہو۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے' جو جزوی قوانین مرتب کئے جائیں گے انہیں احکام شریعت کہا جائے گا۔ یہ جامد نہیں ہوں گے ۔ **متقضیات** زمانہ کے ساتھ ساتھ قابل تغیر و تبدل ہوں گے۔

سند صرف خدا کی کتاب ہے

حق حکومت صرف خدا کو حاصل ہے۔ اسلامی حکومت کا فریضہ اور ذمہ داری کتاب اللہ کے اصول و احکام کو عملاً" نافذ کرنا ہے۔ ان موضوعات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے اسی شمارہ میں انتباہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے لکھا۔

طلوع اسلام نہ عملی سیاست میں حصہ لیتا ہے' نہ اسے اقتدار سے کسی قسم کا سروکار ہے۔ اسے قلق ہے تو اس بات کا کہ جو بات قرآنی نقطہ نگاہ سے اسلامی نہیں قرار پا سکتی' اسے اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ جو حضرات' بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی جہت سے بھی اس سے وابستہ ہوں' ہم ان کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ سوچیں کہ وہ کس قدر عظیم ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں۔ اور کل کو خدا کے حضور اس کا کیا جواب دیں گے' جو لاکھوں کروڑوں مسلمان' ان غیر قرانی مسالک و قوانین کو اسلامی سمجھ کر اختیار کریں گے' ان کے گناہوں کا بوجھ کس کی گردن پر ہو گا؟ وہ سوچیں کہ کہیں (خدا نکردہ) ان کا شمار ان لوگوں میں تو نہیں ہو گا جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے کہ **لیحملوا اوزارھم** (16/35) جو اپنے اعمال کا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے اور ان لوگوں کے اعمال میں سے بھی کچھ بوجھ جنہیں یہ اس طرح بربنائے جہالت گمراہ کر رہے ہیں۔ سوچیں کہ جب بروز حشر حضور نبی اکرمؐ خدا سے فریاد کریں گے کہ **یرب ان قومی اتخذو ھذا القرآن مھجور**" ○ (25/30) " اے میرے پروردگار! یہ ہے

میری وہ قوم جس نے قرآن کو ترک کر دیا تھا" تو حضورؐ کی انگلی آپ کی طرف تو نہیں اٹھے گی؟ یہ باتیں گہری سوچ کر متقاضی ہیں۔ ان کا تعلق محض دنیاوی حکمرانی سے نہیں' اخروی مواخذہ سے بھی ہے۔ حضورؐ کی فریاد یہ نہیں ہو گی کہ انہوں نے فقہ اور حدیث اور اسلاف کے مسلک کو چھوڑ دیا تھا۔

مروجہ اصطلاحات کا مفہوم متعین کیا جائے

آج کل ہمارا معاشرہ جس قسم کے خلفشار کی آماجگاہ بن رہا ہے اس کی مثال کم ہی ملے گی اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ تھوڑے سے غور کے بعد سمجھ میں آ جاتی ہے معاشرہ میں جو خاص الفاظ یا اصطلاحات بالعموم استعمال ہوتی ہیں اگر ان کے معانی اور مفہوم متعین ہوں تو ذہنی انتشار پیدا نہیں ہوتا لیکن جب صورت یہ ہو کہ الفاظ اور اصطلاحات تو بارش کی طرح برس رہے ہوں اور ان کے نہ معانی متعین ہوں نہ مفہوم تو انتشار جھگڑ اور ادوں کی شکل اختیار کر لے گا۔ مثال کے طور پر ان چند ایک الفاظ و اصطلاحات پر غور کیجئے جو ہم میں سے ہر ایک کی زبان پر ہیں اور سوچئے کہ کیا ان کا کوئی متفق علیہ متعین مفہوم بھی ہمارے ذہن میں ہے؟ اس طرف توجہ دلاتے ہوئے طلوع اسلام نے جون 1981ء صفحہ 3 کی اشاعت میں لکھا۔

اسلام

آج کل سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ' یا اصطلاح اسلام ہے۔ وہ کون سا عقیدہ' نظریہ' مسلک' نظام' پروگرام ہے جس کے ساتھ "اسلامی" کا لاحقہ نہیں لگا دیا جاتا لیکن آپ "اسلامی" کہنے والے کسی دو (عوام الناس نہیں) خواص سے پوچھ کر دیکھئے۔ یا تو اس کا کوئی متعین مفہوم ہی ان کے ذہن میں نہیں ہو گا اور یہ ان کا مفہوم ایک دوسرے سے نہیں ملے گا۔ ان کے پیش نظر کوئی ایسا معیار ہی نہیں ہو گا۔ جس سے اسلامی اور غیر اسلامی میں پرکھ یا تمیز ہو سکے۔ جب ان دو کی یہ کیفیت ہے تو سات کروڑ میں جو ذہنی تشتت ہو گا اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے اپنے اس بنیادی سقم کو چھپانے کے لئے ایک اور اصطلاح عام کر رکھی ہے یعنی۔

کتاب و سنت

کتاب تو ایک متعین کتاب ہے یعنی قرآن مجید۔ لیکن سنت کی اصطلاح جس قدر مقدس ہے اتنا ہی اس کا مفہوم غیر متعین ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ہر حدیث سنت ہے لیکن دوسروں کے نزدیک سنت سے مراد حضورؐ کے صرف وہ اعمال ہیں جو آپؐ نے بحیثیت رسول التزاماً" سرانجام دیئے تھے (سنت کی یہ تعریف مودودی مرحوم کی ہے) جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور ان کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ حتیٰ کہ بخاری اور مسلم کا مجموعہ بھی نہیں۔ سنت کے متعلق دشواری اس سے بھی زیادہ ہے۔ حدیث کا کوئی مجموعہ ایسا نہیں جس میں اس امر کی نشاندہی کی گئی ہو کہ حضورؐ نے فلاں کام بہ حیثیت رسولؐ التزاماً" کیا تھا اور فلاں کام شہری حیثیت سے۔ لہٰذا سنت کا بھی کوئی متفق علیہ مجموعہ امت کے پاس نہیں۔ مودودی مرحوم نے کہا تھا کہ اس کا فیصلہ مزاج شناس رسولؐ کی نگاہ بصیرت ہی کر سکتی ہے اور جماعت اہل حدیث کے امیر (مولانا محمد اسماعیل مرحوم) نے ایسے دعویٰ کو باطل قرار دیا تھا۔

کتاب و سنت کی اصطلاح میں یہ بھی طے نہیں کہ دونوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ نظری طور پر تو کہا جاتا ہے کہ قرآن کی حیثیت بہرحال فائق ہے لیکن عملاً" حدیث کو قرآن پر قاضی قرار دیا جاتا ہے یعنی جب کسی معاملہ میں

قرآن اور حدیث میں ٹکراؤ ہو تو فیصلہ حدیث' کے مطابق ہو گا۔ بعض اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث قرآن کو منسوخ کر سکتی ہے۔

پاکستان میں اسلامی قوانین سازی کی بنیادی ذمہ داری اسلامی نظریاتی کونسل کی ہے اور اس کے بعد مرکزی حکومت کے شعبہ (یا وزارت) قانون (Law Ministry) کی۔ آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ نہ نظریاتی کونسل کے پاس اور نہ ہی وزارت قانون کے پاس " سنت " کا کوئی ایسا مجموعہ ہے جو تمام فرقوں کے نزدیک متفق علیہ ہو۔ حتیٰ کہ وفاقی شرعی عدالت یا سپریم کورٹ کے پاس بھی نہیں۔ اس کے باوجود ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام امور کے فیصلے "کتاب و سنت" کے مطابق کریں' یہ بات تعجب انگیز ہے یا نہیں ہے۔

فقہ کے قوانین

اس کا حل انہوں نے یہ تلاش کیا ہے کہ' فقہ کے قوانین نافذ کر دیئے جائیں۔ ہمارے مختلف فرقوں کی مختلف فقہیں ہیں اور ان میں سے ہر فرقہ اپنی فقہ کو کتاب و سنت کے مطابق قرار دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب ہے کہ "کتاب و سنت" ایک ایسا سرچشمہ ہے جہاں سے ایسے قوانین مل سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہوں۔ اہل حدیث حضرات سرے سے کسی فقہ کے ہی قائل نہیں۔

یہ ہیں وہ حقائق جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہاں اسلامی قوانین نافذ ہوں گے۔ ان قوانین کا حشر کیا ہو گا اس کی مثالیں ابھی سے ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔ مرکزی حکومت (زکوٰۃ کے متعلق) ایک پبلک لاء نافذ کرتی ہے اس کے خلاف احتجاج ہوتا ہے تو قانون کو تبدیل کر کے کہہ دیا جاتا ہے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس فریضہ کو ادا کر لے' ان میں سے ہر ایک کا عمل' اسلامی تسلیم کر لیا جائے گا۔

یا مثلاً" مرکزی حکومت' نظریاتی کونسل اور وزارت قانون کی تصویب کے بعد سزا کا ایک قانون (رجم) نافذ کرتی ہے' اسی حکومت کی وفاقی شرعی عدالت اس قانون کو اسلام کے منافی قرار دے دیتی ہے ..... اور ارادہ رکھتی ہے کہ سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دے۔ اب معلوم نہیں سپریم کورٹ کس کے فیصلے کو "کتاب و سنت" کے مطابق قرار دے۔!

اس خلفشار کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ کسی نے " اسلامی یا غیر اسلامی کا معیار یا کتاب و سنت " کا متفقہ مفہوم متعین نہیں کیا نہ ہی کسی ایسے ضابطہ کی نشاندہی کی ہے جس میں یہ معیار متفق علیہ طور پر موجود و محفوظ ہو۔ جن قوانین کے متعلق یہ کچھ ہو رہا ہے ان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ان کی خلاف ورزی سے دنیاوی عدالتوں کی طرف سے سزا تو ملے گی ہی۔ انہیں خدا اور رسولؐ کے احکام قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی معصیت سے آخرت میں بھی سزائے جہنم ملے گی۔ سوچئے کہ جن قوانین کا تعلق امت کے ایمان اور آخرت کی زندگی سے ہو۔ کیا ان کی کیفیت ایسی ہی ہونی چاہیے؟ اسلامی قوانین سے آگے بڑھئے تو نظریہ پاکستان کی باری آتی ہے۔

نظریہ پاکستان

تشکیل پاکستان سے لے کر آج تک جتنی بار اس اصطلاح کو دہرایا گیا ہے اس کی تعداد حد و شمار سے باہر ہے

لیکن کیا آپ نے کسی کی زبان سے آج تک سنا ہے کہ یہ نظریہ ہے کیا اور اس کا متعین مفہوم کیا ہے؟ پہلے تو یہ ایک نظری سوال تھا لیکن اب کہا جاتا ہے کہ اس نظریہ کی مخالفت کرنے والوں کو مملکت کا غدار تصور کیا جائے گا۔ یہ بجا ہے اسے ایسا ہی تصور کیا جانا چاہیے۔ لیکن کیا یہ ضروری نہیں کہ پہلے یہ بتایا جائے کہ نظریہ پاکستان ہے کیا؟ اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکے گا کہ کسی نے اس کی مخالفت کی ہے یا نہیں یہ تو قانون کا ابتدائی تقاضا ہے جس کا پورا کیا جانا نہایت ضروری ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جو ملت پاکستانیہ کے سامنے ہیں اور ان کے موجود ہونے سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نظریہ پاکستان کے سوا ان سب کا تعلق براہ راست ہماری مذہبی پیشوائیت سے ہے۔ ان کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن یہ اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لئے ٹیکنیک یہ اختیار کرتے ہیں کہ جونہی کسی نے اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا' شور مچا دیا کہ یہ ملحد ہیں بے دین ہیں۔ مغرب زدہ ہیں۔ سیکولرازم کے حامی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ نعرے اس زور و شور سے بلند کئے کہ وہ سوال اس شور میں دب کر رہ گیا اور یہ حضرات مطمئن ہو گئے کہ ہم نے میدان مار لیا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ ایسا کہنے والے کیا ہیں سوال یہ ہے کیا ان اعتراضات کا اطمینان بخش جواب دیا جانا ضروری نہیں؟

کیا یہ بتانا ضروری نہیں کہ:

1۔ کسی عقیدہ نظریہ' مسلک یا قانون کو اسلامی یا غیر اسلامی قرار دینے کا متعین یا متفق علیہ معیار کیا ہے؟

2۔ کیا اس کی وضاحت ضروری نہیں کہ سنت نبویؐ کا متعین مفہوم کیا ہے؟ اور وہ کون سی کتاب ہے جس میں یہ سنت اس طرح محفوظ ہے کہ اسے سب سنت تسلیم کرتے ہیں۔

3۔ کیا یہ متفقہ طور پر طے کرنا ضروری نہیں کہ فقہی قوانین کی دینی حیثیت کیا ہے' اور آیا یہ ضروری ہے یا نہیں کہ شق (1) کے مطابق انہیں بھی پرکھ کر دیکھ لیا جائے کہ وہ اسلامی ہونے کے معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

مذہبی پیشوائیت سے قطع نظر' ہم ملک کے ارباب دانش و بینش اور پاکستان کے بہی خواہ طبقہ سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ آئینی اور قانونی طور پر اس کا مطالبہ کریں! اس وقت تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ملک میں قانون سازی کے معاملہ کو محض جذباتی طور پر ہاتھ میں لے لیا گیا ہے اور ان مبادیات تک کو حقائق کی روشنی میں طے ہی نہیں کیا گیا جو اس باب میں شرط اول اور **لاینفک** تقاضا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قانون' قانون ہی نہیں کہلا سکتا جس کی مبادیات' **تضمنات**' حدود اور شرائط کو (Define) اور متعین نہ کیا جائے۔

اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ڈر ہے کہ موجودہ خلفشار اور فکری انتشار مملکت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گا۔ قوم کا نوجوان طبقہ اس صورت حال سے بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔

جو بھی مذہب سے برگشتہ ہو۔ کمیونزم لپک کر اسے اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ آپ اقوام مغرب کی تاریخ پر غور کیجئے وہاں سیکولرازم (جس میں مغربی نظام جمہوریت اور اشتراکیت دونوں شامل ہیں) لائی ہوئی ہی تھیاکریسی کی ہے۔ وہی تھیاکریسی اب یہاں بھی عام ہو رہی ہے۔ تو اس کا جو نتیجہ وہاں برآمد ہوا تھا وہی یہاں بھی برآمد ہو گا۔ تھیاکریسی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جن قوانین کو مذہبی پیشوائیت' خدا کے احکام کہہ دے' انہیں جانچے' پرکھے بغیر' خدا کے احکام تسلیم کر کے ملکی قوانین کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ قرآن کریم نے اس کی سخت مخالفت

کی۔ نبی اکرمؐ نے اسے شرک قرار دیا۔ موسس پاکستان علامہ اقبالؒ نے اس سے محترز رہنے کی تاکید کی اور معمار پاکستان نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ پاکستان میں ایسا نظام نافذ نہیں ہو گا۔ اس کے تخریبی نتائج ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس خطہ ارض کو اس تباہی سے محفوظ رکھے۔

عوامی تحریک کے عناصر

ہمارے ملک میں عوامی تحریکیں کن عناصر سے ترکیب پاتی ہیں ان کی خصوصیات اور لزومات کیا ہوتے ہیں وہ کس قسم کے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور انہیں کامیاب بنانے کے لئے کیا طریق اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان کا تجزیہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے نومبر 1982ء کی اشاعت میں لکھا۔

1۔ سب سے پہلے سمجھ لیجئے کہ عوامی تحریک کے پیش نظر کوئی تعمیری مقصد نہیں ہوتا تخریب ہوتی ہے جس کے لئے وہ معاشرہ میں مسلسل خلفشار اور انتشار (Chaos) پیدا کرتی رہتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے جذبات کو مشتعل کیا اور مشتعل رکھا جائے اور انہیں عقل و فکر اور غور و تدبر کی طرف آنے نہ دیا جائے۔

2۔ عوامی تحریک میں وہ عوام شامل ہوتے ہیں جو اپنی موجودہ زندگی سے غیر مطمئن بلکہ بیزار ہوں۔ اور مستقبل کی طرف سے مایوس اس میں معاشی ناہمواریوں کو بنیادی طور پر دخل ہوتا ہے۔ یوں تو بنیادی تفریق کا آغاز اس وقت ہو گیا تھا جب ابلیس نے ابن آدم کے کان میں " میری اور تیری " کا افسوں پھونکا تھا لیکن جب کسی قوم میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ایک طبقہ دیکھتے دیکھتے کوڑیوں سے کروڑوں کا مالک بن جائے تو (Have) اور (Have Nots) کی تفریق بڑی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اس سے نچلا طبقہ اپنی موجودہ حالت سے بے حد غیر مطمئن ہو جاتا ہے۔ عوامی تحریک چلانے والے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہیں' ان کی ٹیکنیک یہ ہوتی ہے کہ وہ حال (Present) کو مسلسل کوستے رہتے ہیں اس کے ہر گوشے میں کیڑے ڈالتے رہتے ہیں۔ اس کی خرابیوں کو اچھال اچھال کر نہایت مبالغہ آمیز انداز سے سامنے لاتے رہتے اور اس طرح اس کے خلاف عوام کے جذبات نفرت کو مشتعل کئے جاتے ہیں۔ مذہب کے نام پر عوامی تحریک کے علمبردار' معاشرہ کی ہر اخلاقی خرابی کا ذمہ دار اوپر کے طبقہ کو قرار دے کر اس کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارتے رہتے ہیں۔ اور عوام کے دل میں یہ یقین راسخ کر دیتے ہیں کہ ان کی مفلسی اور پریشان حالی کی واحد ذمہ دار' اوپر کے طبقہ کی بد اعمالیاں ہیں۔ ہم یا عوام اس کے ذمہ دار نہیں۔

3۔ اس تحریک کے علمبردار' حال کو اس قدر قابل نفرت دکھانے کے ساتھ ساتھ' مستقبل کو اس قدر درخشندہ و تابناک دکھاتے ہیں کہ مایوسوں اور محرموں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں وہ ان کے دلوں میں ناممکن الحصول امیدوں کے جگمگاتے چراغ روشن کر دیتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اگر ایک دفعہ اقتدار ہمارے ہاتھ میں آ گیا تو تم دیکھو گے کہ تمہاری زندگی کس طرح مسرتوں کے جھولے جھولتی ہے۔ مذہب پرست طبقہ جو ماضی کو اس قدر درخشندہ بنا کر دکھاتا ہے' اس سے بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں حال بے حد گھناؤنا نظر آئے اور جب وہ عوام سے کہیں کہ جس نظام کی طرف' ہم دعوت دیتے ہیں وہ ایک بار پھر سے اسی قسم کی جنتی زندگی کا نظارہ دکھا دے گا' تو وہ دیوانہ وار لپک کر اس کے پیچھے ہو لیں۔

4۔ عوام کے دل میں موہوم امیدوں کے چراغ روشن کر کے' مستقبل کے فریب تخیل کو زندہ رکھنے کے

لئے ضروری ہے کہ ان سے کوئی بات متعین طور پر نہ کہی جائے۔ متعین اور واضح پروگرام سامنے رکھنے میں نقص یہ ہوتا ہے کہ ان کے متبعین (Followers) قدم قدم پر ماپنے لگ جاتے ہیں کہ ہم اس نصب العین کے قریب پہنچتے جا رہے ہیں یا نہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو رہا تو وہ بددل ہو جاتے ہیں۔

5۔ اپنے پروگرام کو مبہم رکھنے کے ساتھ' یہ بھی ضروری ہے کہ عوام سے ہر وقت یہ کہتے رہنا چاہئے کہ --- وہ آئی' لو وہ آئی' دل ناصبور صبح --- ان سے کہا جائے کہ اب منزل دور نہیں بس تھوڑی سی ہمت اور کرو۔ یہ تھوڑے بہت تعمیری نشانات جو باقی رہ گئے ہیں انہیں جلدی سے مٹا دو۔ اس کے بعد زندگی کا نقشہ بدل جائے گا۔ عوامی تحریک میں (Tempo) کا برقرار رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے اور یہ اسی صورت قائم رہ سکتا ہے جب اپنے **متبعین** سے کہا جائے کہ منزل دور نہیں --- عوام سے کہا جاتا ہے کہ تم اقتدار ہمارے ہاتھ میں دو پھر دیکھو کہ ہم کس طرح اس نظام کو کل ہی واپس لے آتے ہیں جسے دیکھنے کو تمہاری آنکھیں ترستی ہیں

6۔ عوامی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ان لوگوں کے دل میں یہ خیال راسخ کر دیا جائے کہ حق و صداقت کی حامل صرف ان کی جماعت ہے--- ان کی تحریک دنیا بھر کی خوبیوں کی واحد مالک ہے۔ وہ خوبیاں کہیں اور نہیں مل سکتیں۔

7۔ عوامی تحریک میں وہ لوگ کشاں کشاں شامل ہو جاتے ہیں جن کے اپنے اندر کوئی خاص خوبی نہیں ہوتی۔ اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد' وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جتنی خوبیاں ان کی پارٹی میں بتائی جاتی ہیں وہ سب ان کے اپنے اندر موجود ہیں اس طرح ان کا وہ نفسیاتی خلا پر ہو جاتا ہے جو خوبیوں کے فقدان کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ مختلف قسم کی نفسیاتی پیچیدگیوں (Complexes) کا شکار ہو رہے تھے' جس طرح ایک شخص پانی میں غوطہ زن ہو کر' باہر کی دنیا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ' اپنی پارٹی کے بحر ذخار میں ڈوب کر' دنیا و مافیہا سے نہ صرف بے خبر ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

8۔ عوامی تحریک میں وہ لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو عام معاشرہ میں فٹ نہ ہو سکنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً" سرکاری ملازم عام طور پر ساری عمر معاشرہ سے الگ تھلگ رہ کر گویا تھرماس (Thermos) میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد وہ اپنے آپ کو ایک لق و دق صحرا میں تنہا پاتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی ایسے جوہر نہیں جن کی وجہ سے معاشرہ انہیں اپنا لے' تو وہ اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے عوامی تحریکوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھ لیتے ہیں کہ ---- عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا۔

9۔ عوامی تحریک کی کامیابی کے لئے یہ امر لابدی ہے کہ عوام کو مسلسل مصروف حرکت رکھا جائے ان کو لگاتار چلاتے رہیں اور اتنی فرصت ہی نہ دیں کہ کسی جگہ کھڑے ہو کر سوچ سکیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہنگامے برپا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تراش لیا جائے۔ اس طرح مسلسل شور و شغب میں مصروف رہنے سے عوام کی سوچنے سمجھنے کی رہی سہی صلاحیتیں بھی مفقود ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص عوامی تحریک کے نشہ کا خوگر ہو جائے وہ کسی فکری تحریک کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر وہ کسی ایک عوامی تحریک سے الگ ہو گا تو کسی دوسری عوامی تحریک ہی میں شامل ہو

جائے گا۔ چونکہ اسے سکھایا ہی یہ گیا تھا کہ عمل نام ہے ہنگامہ آرائی اور غوغا ژائی کا' اس لئے وہ فکری تحریک کو بے عملوں کی جماعت قرار دیتا ہے اور اس کی طرف رخ نہیں کرتا۔

10۔ مسلسل ہنگامہ آرائیوں سے عوام کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کوشل اور ان کے دل میں یہ خیال راسخ کر دینے سے کہ حق و صداقت کی اجارہ داری صرف ہماری پارٹی ہے' ان میں وہ اندھی عقیدت پیدا کر دی جاتی ہے جسے انگریزی زبان میں (Faith) کہتے ہیں۔۔ عوامی تحریک کے لیڈر کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے **متبعین** کی نگاہوں کو اس درجہ مسحور کر دے کہ جو حقائق دوسروں کو یونہی نظر آ جائیں' ان کے لاکھ سمجھانے اور دکھانے پر بھی انہیں تسلیم نہ کریں۔

عوامی تحریک کی خصوصیات اور لزومات کا تجزیہ پیش کرنے کے بعد اس کے لیڈران کے خصائل بیان کرتے ہوئے لکھا۔ جہاں تک اس تحریک کے لیڈر کا تعلق ہے اس کے اندر بھی چند ایک خصوصیات کا ہونا ضروری ہے مثلاً"

1۔ وہ اصول پرستی کی جگہ حکمت عملی کو اپنا مسلک قرار دے۔ یعنی وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جیسا مصلحت کا تقاضا ہو' بلا جھجک ویسا کر گزرے خواہ اصولوں کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے **متبعین** کو یہ باور کرا دے کہ اس میں کوئی اصول شکنی نہیں ہوئی

2۔ اسے اس کا کبھی احساس نہ ہو کہ میں نے کل کیا کہا تھا اور آج کیا کہہ رہا ہوں۔ اس "کہہ مکرنے" کی روش کے متعلق وہ اپنے **متبعین** کو یہ کہہ کر مطمئن کرا دے کہ جنگ میں ہر قسم کا حربہ جائز ہوتا ہے۔

3۔ وہ سرکشی اور قانون شکنی میں لذت محسوس کرے اور اپنے مخالفین کو ذلیل اور حقیر کر کے خوش ہو' خواہ اس کے لئے اسے دوسروں کے خلاف کیسے ہی جھوٹے الزامات کیوں نہ تراشنے پڑیں۔ اس طرح دوسروں کو ذلیل کرنا اس کے **متبعین** کے نزدیک بھی سب سے بڑا حسن عمل قرار پائے گا اور وہ اسے اپنی بہت بڑی کامیابی سمجھیں گے۔

4۔ اس کے لئے ایسا ضدی ہونا ضروری ہے کہ وہ نہ اپنی کسی غلطی کا اعتراف کرے نہ کسی دوسرے کی بات مانے وہ اپنے آپ کو ہمہ دان اور محیط کل سمجھے۔

5۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی تحریک کی قیادت کو اپنی ذات تک محدود' اور اس طرح اسے (One Man Show) بنائے رکھے اس لئے وہ اپنی تحریک میں ایسے لوگوں کو کبھی بار نہ پانے دے جن کے متعلق اسے خطرہ ہو کہ وہ کل کو اس کے ہم دوش ہو جائیں گے۔

بدرگاہ رب العزت

اور سب سے آخر میں ایک گزارش اس بارگاہ میں ہے جو دنیا کی ہر گزارش کا آخری ملجا ہے۔ بچپن میں ایک قصہ پڑھا کرتے تھے کہ کسی "صاحب دل" نے ایک بے نماز کو ایک عرصہ کی تلقین کے بعد' نماز پڑھنے پر آمادہ کر لیا۔ اسے نماز سکھائی۔ غسل کرایا۔ کپڑے بدلوائے' جائے نماز بچھائی' قبلہ رو کھڑا کیا' اور اللہ اکبر کہلوا کر سینے پر ہاتھ بندھا دیئے' اس کے بعد خود ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اے مقلب القلوب! اتنا کچھ تو میں نے کر دیا ہے۔ میں یہی کچھ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد تو اسے خود سنبھال لے۔

طلوع اسلام بھی اس بارگاہ صمدیت میں' جھکی ہوئی نگاہوں اور لرزتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کرتا ہے کہ جو کچھ ہم ناتوانوں کے بس میں تھا ہم نے کر دیا۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جو کچھ ہم نے کیا ہے اگر یہ تیری میزان میں پورا اترتا ہے تو اس کے بعد اس امر کا انتظام تو اپنے دوسرے بندوں ہاتھوں کرا دے کہ ہماری کوشش ناتمام کے ذریعے' راہ گم کردہ انسانوں کا یہ کاروان اس راہ پر چل نکلے جو تیری بتائی ہوئی راہ ہے اور جو کاروان انسانیت کو اس کی منزل و مقصود تک پہنچانے کی واحد راہ ہے۔ باقی رہا ہماری ان حقیر کوششوں کا صلہ۔۔۔ سو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ

جب تیرے حضور تیرا آخری رسول" انسانوں کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ۔۔۔۔ **یا رب ان قومی اتخذو ا ھذا القران مھجورا**" (25/30) (یا اللہ! یہ ہے میری وہ قوم جس نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا) تو ہم اس گروہ کے اندر نہ کھڑے ہوں۔ بس اس سے زیادہ اور کوئی آرزو نہیں۔"

o o o

نظریہ پاکستان کس نے دیا

مولانا مودودی کہتے ہیں

> اقبالؒ نے ایک علیحدہ مملکت کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ اس سے سیاسی آزادی مقصود نہیں بلکہ اسلام کی حفاظت مقصود ہے۔ اقبالؒ نے آپ کو نظریہ دیا اور قائد اعظمؒ نے اس نظریہ کی بنیاد پر ایک وطن حاصل کیا۔
>
> ایشاء مورخہ 22 اپریل 1970ء

میاں طفیل محمد صاحب فرماتے ہیں۔

> نظریہ پاکستان مولانا مودودیؒ نے دیا تھا۔
>
> روزنامہ نوائے وقت بابت 17 جولائی مئی 1976ء

کون صحیح ہے کون غلط ہے۔ فیصلہ خود کیجئے

GENESIS & IDEOLOGY OF PAKISTAN

The history of mankind makes tragic reading. Down through the ages. we come across a series of sequences of the rise, growth, decline and fall, not only of nations but even of their civilisations and cultures. No doubt, man has all along shown a remarkable constructive genius, having attained many an awe-inspiring successes, despite occasional set-backs and natural catastrophes, but his constructive genius was always undermined by some inherent weakness underlying his ideas. or his way of life which ultimately brought about a disastrous end to his efforts. Nevertheless. there have been some notable exceptions in the series of sequences when the idea of universal welfare of mankind took practical shape, but the main characteristic in all those civilisations, always remained one of frustration. Man struggled hard to find some satisfactory solution to his problems, but failed. Human intellect. limited as it is helped him little, because it is not aware of any source of knowledge other than itself. There was only one guide left for mankind in this difficult quest: and that confidently proclaimed competency to lead them to their goal:"

> The God that has created all the objects in the universe has also undertaken to make them aware of their goal and guide them towards it, (20:50)

The guidance, which comes directly from God, is known as "Revelation". It has all along been revealed to mankind through the agency of various Anbiya But, unfortunately, due to the ravages of time and human tampering with it, the text of the Scriptures, the message delivered by the pre-Islamic Anbiya, could not be preserved long in their original form. Eventually, about fourteen centuries ago, the complete and final version of that Guidance was revealed to mankind through Mohammed (P.B.U.H.), the last of the series of Anbiya. This version of the Divine Guidance is embodied exactly in its original form in the Quran.

2. The responsibility of the *Nabi,* to whom Divine Guidance was revealed, was not only to communicate his revelation to others, but also to establish an socio-economic order in the light of that Guidance. Our *Rasul*---Mohammed (P.B.U.H.) --established this order which fully recognized dignity of all human beings (17:70). The pursuit of

individual interest was replaced by the ideal of the good of the humanity at large. Oppression and exploitation were abolished and justice and equity prevailed. The dependence of man and the subjugation of one over another were brought to an end. Every individual was assured the proper satisfaction of these needs. He, thereby, led a full life of satisfaction, peace and harmony. He did not owe obedience to any person or power, except the Divine Laws enshrined in the Quran. Briefly, that order completely put an end to the rule of man over man. In any form, and with it the evil of capitalism. This order was called Deen in the Quranic terminology.

3. This social order prevailed during the lifetime of Muhammad (P.B.U.H.) and for some time thereafter, when the forces of exploitation began to raise their first success with the establishment of *Mulukiyyat*-kingship--sustained by capitalism. To ensure their survival and consolidation, these forces availed themselves of the co-operation of men who appeared in the robes of piety and spoke in the name of God. They posed as the interpreters of God's Will and thus distorted principles and tenets of Deen which no longer remained a living force in the society and were reduced to a set of soul-less beliefs, lifeless dogmas and realities of life. They framed rules and laws to suit the purpose of monarchy, and sought to keep the common man entangled in the labyrinth of these dogmas and rituals, and the exploiters, religious as well as temporal, were left free to maintain their stranglehold upon the defrauded masses/ This was the metamorphosis of Deen into Mazhab, which word, by the way, does not occur anywhere in the Quran. The Book of Allah, however, remained intact, since Allah has taken Himself, the responsibility of its preservation Himself, although it was never allowed to play any part in the practical life of the Muslims.

4. This state of affairs prevailed throughout the Muslim countries for centuries together where Mazhab was accepted as true Islam. We should, however, consider ourselves fortunate in as much as a voice was raised in our time and from our own country, to distinguish between Deen and Mazhab, and the Ummah was called upon to revive true Islam in the light of the Quran. This was the voice of Iqbal, the great thinker, and still greater scholar of the Quran. This, he said, was possible only if we had a piece of land in which a State was established purely on the lines indicated by the Quran, thereby wiping out completely the rule of man, in any form, be it capitalism or priestcraft. This scheme of his he pronounced in his Presidential Address of All-India Muslim League Session at Allahabad, in 1930. Such a State, he said:

> Would mean security and peace for India resulting from an internal balance of power, and for Islam an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilise its law, its education, its culture, and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of modern times.
>
> *(Speeches and statements of Iqbal--P.15)*

Two years later, while addressing the nation at the Annual Session of the All-India Muslim Conference at Lahore, on 21-31932, he said:

> The possibilities of the faith you represent are not yet exhausted. It can still create a new world where the social rank of man is not determined by his caste or colour or the amount of the dividend he earns, but by the kind of life he lives; where Capital cannot be allowed to accumulate so as to dominate the real producer of wealth. This superb ideal of your faith, however, needs emancipation from the medieval fancies of theologians and legists. Spiritually we are living in a prison-house of thoughts and emotions which, during the course of centuries, we have woven round ourselves. And be it further said to the same of us-- men of older generation-- that we have failed to equip the younger generation for the economic, political and other religious crises that the present age is likely to bring. The whole community needs a complete overhauling of its mentality in order that it may again become capable of feeling the urge of fresh desires and ideals.
>
> *(Ibid p.55)*

This point, i.e. to get rid of the "manmade Islam" was so basic and important that he laid emphasis on it time and again. In his famous six (to be more accurate, seven) lectures, he elaborated the theme in the words of (the late) Grand Vizier of Turkey, Said Haleem Pasha, who had said:

> During he course of history, the moral and social ideals of Islam have been gradually de-Islamised through the influence of local character, and pre-Islamic superstitions of Muslim nations. These ideals today are more Iranian, Turkish, or Arabian than Islamic. The pure brow of the principal of Tauheed (obedience to the Book of Allah alone) has received more or less, an impress of heathenish and the universal and impersonal character of the ethical ideals of Islam has been lost through a process of localisation. The only alternative open to us then is to tear off from Islam the hard crust which has immobilised an essentially dynamic outlook on life, and to rediscover the original verities of freedom, equality and solidarity with a view to rebuild our moral, social and political ideals out of their original simplicity and universality.
>
> *(Iqbal: Reconstruction of Religious Thought in Islam --pp. 148-49)*

This was the purpose to be achieved, for which Allama Iqbal had given the idea of acquiring a piece of land to establish therein a State which could be identified as a true Islamic State -- a State built on the foundations of Quran. This was to be a unique State amongst various States of the world.

5. One of the fundamental factors which makes an Islamic State unique amongst various States of the world, whatever their form of Government, is its principle of law making. As already stated, according to the Quran, all human beings are equal and worthy of equal respect and dignity. It necessarily follows, therefore, that no man has the right to exploit another man or to use him as a means in furthering his personal interests. If society were organized on this basis, there would be neither rulers nor the

ruled; none would be permitted to compel others to obey him. Allah alone would be obeyed. Says the Quran:

> It behemoth not a man that Allah should give him the Book of Law, power to judge, and even Nubuwwah, and he should say to his fellow beings to obey his orders rather than those of Allah.... (3:78).

The Quran forbids man to arrogate to himself the right to rule over other men: and yet it does not advocate a lawless, anarchical society. What it does is to lay down the principle that Allah alone has the right to rule over them (12:40) and none has the right to any share in it (18:26). Sovereignty belongs to Allah alone.

Allah, however, is the Abstract, Transcendental Reality. How can we obey Him if we cannot contact Him? The answer is by observing His Laws as given in His Book. This is why the Rasul was asked to declare:

> Shall I seek other than Allah for Judge, when how it is who hath revealed unto you this Book fully explained (6:115).

This book was the criterion to decide whether a State was Islamic or UN-Islamic. Says the Quran:

> Whose do not judge by what Allah hath revealed, they are indeed *kafirs* (5:44)

The laws, directives, principles and values given by the Quran are complete, final, eternal and UN-alterable. None, not even the entire Ummah has the authority to add to, subtract from or make any alteration therein. But it does not prescribe details thereof. With the exception of a very few laws, it demarcates the boundary lines of what is lawful and what is unlawful. These lines no one has the right to transgress: not even the entire community. Within these lines, the Islamic State is free to frame such byelaws, as the needs of the time require. These byelaws are, of course, subject to change and may be revised or even abrogated by the Ummah by mutual consultation (42:38), leaving the boundary lines untouched. This is where an Islamic State differs from the democracy, the people have unbridled power to frame any laws, whereas, the consultative machinery of the Ummah can frame sub-laws only within the boundary lines framed by the Quran. Iqbal has beautifully narrated this unique feature of the Islamic State. He says in his Lectures:

> The ultimate spiritual basis of all life, as conceived by Islam, is eternal and reveals itself in variety and change. A society based on such a conception of Reality must reconcile in its life the categories of permanence and change; it must possess eternal principles to regulate its collective life; for the eternal gives us a foothold in the world of perpetual change. But eternal principles

when they are understood to exclude all possibilities of change, which, according to Quran is of the greatest sings of God, tend to immobilise what is essentially mobile in its nature.

(Reconstruction of Religious Though in Islam...P-1

Iqbal has touched upon this very subtle, yet most important point with referen to political system of Islam, but it takes us far, far beyond political horizon. T fundamental principle of the reconciliation of the categories of permanence and chan 's not confined to the process of law making. It is the very essence of Islam and can appreciated only when the Quranic concept of human life is thoroughly grasped. The are two concepts of human life -- materialistic and Quranic. The materialistic outloo of life treats man as any other animal, whose only function is to develop and enlarge h physical existence. It functions under physical laws and is disintegrated and ge extinct with death. It is subject to perpetual change: every moment millions an millions of cells, which constitute human body, are destroyed and replaced by fres cells. This process of constant change continues till death overtakes him and he cease to live. Since, according to this concept of life, there is nothing permanent in huma life, it stands in need of no Permanent Values, no unchangeable principles, n immutable boundary lines, and therefore, no necessity for Divine Guidance.

According to Quranic concept of life, on the other hand, human body, no doub develops, flourishes, and eventually disintegrates, under physical laws, but there i something else in man besides his body, that is, his Self or Personality, which is neithe physical in its constitution nor is it subject to physical laws as such. It is endowed t every human child in like measure at his birth, but it is only in an undeveloped form To develop it to its full maturity, and to give it a perfect and balanced shape is the goa of all human activities. Every act of his, performed in accordance with Permanent Values, contributes to its development, and whatever is done against these values, retards this process and weakens the Self. An act, it should be noted, includes thought, wish and desire, as well. The Self or Personality thus developed easily sustains the shock of death and survives the disintegration and dissolution of physical body, and goes on developing further, passing through more evolutionary stages, which we call the "Hereafter" or the life after death. The fact that, not only the actual deeds of a human being but his thoughts, wishes and desires as well, act upon human Personality is what is called the "Law of Retribution" which is as inexorable and immutable as the Laws of Nature.

It is the human personality, which takes decisions, but at the present level of existence, its decisions are implemented through physical body. For this purpose, it is essential that human body should also develop and be in a position to carry out the commands of the personality. For its development, the needs and requirements of

man body will change from time to time, whereas human personality, while eveloping shall remain unchanged. The renowned Polish Thinker, Nicholas Bereave, s beautifully concentrated this in four words, by saying.

> Personality is changelessness in change.
>
> *(Slavery and Freedom P-8)*

The process of the development of human body and Personality can take place nly in Islamic Social Order (Deen, as already explained). This order, generally called Nizam-e-Rabubiyyah", provides to each and every individual means for the evelopment of both. It will be seen that this system differs basically from all other ystems.

Reverting to the principle of law-making, Iqbal examined critically what had een going on in our past history, and said that

> The teaching of the Quran that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered by the work of its predecessors, should be permitted to solve its own problems.
>
> (Lectures P-160)

It follows, therefore, that the general notion that the laws made by our earlier urists and promulgated in the past are eternal and binding on all future generations is gainst the basic teachings of the Quran. This was thoroughly explained by Iqbal in his 'Sixth lecture", entitled -- The principles of movement in the structure of Islam -- in hich he says:

> The question which is likely to confront Muslim countries in the near future is whether the Law of Islam is capable of evolution -- a question which will require great intellectual effort, and is sure to be answered in the affirmative; provided the world of Islam approaches it in the spirit of Omar -- the first critical and independent in Islam who, at the last moments of the Prophet, had the moral courage to utter these remarkable words: "The Book of God is sufficient for us". (P.154).

Iqbal accomplished his task and, handing over the torch to Quaid-e-Azam, Muhammad Ali Jinnah, passed away. The Quaid, during his struggle for the achievement of Pakistan, reiterated the main features of the proposed Islamic State, as nunciated by Iqbal. No doubt the British and the Hindus opposed tooth and nail the roposal for the establishment of a separate State for the Muslims, but its main pponents were the so-called "Nationalist Ulema" who were the custodians of Mazhab, s already explained. Plainly speaking, the struggle for Pakistan was, in reality; truggle between Deen and Mazhab. This struggle was started during the lifetime of

Iqbal himself. For want of adequate space, it is not possible to quote extensively fr the speeches and writings of Quaid-e-Azam, on the subject it would suffice if some the more important points were cited.

It is generally said, that it was the narrow-mindedness of the Hindus and th maltreatment and fanatical prejudice toward the Muslims which compelled the latter seek protection in a separate homeland, and thus the demand for Pakistan. This is only distortion of history but also malicious propaganda. The genesis of Pakistan w explained by Iqbal in the Presidential Address at Allahabad in 1930. Pakist Resolution was passed in the Annual Session of the All-India Muslim League, Lahore, in 1940. Quaid-e-Azam said in his Presidential Address:

> It is extremely difficult to appreciate why our Hindu friends fail to understand the n nature of Islam and Hinduism. They are not religions in the strict sense of the word, T are in fact, different and distinct social orders, and it is a dream that the Hindus a Muslims can ever evolve a common nationality, and this conception of one Indian nati has gone far beyond the limits and is the cause of most of your troubles and will le India to destruction if we fail to revise our notions in time. The Hindus and Musli belong to two different religious philosophies, Social customs, and literatures. T neither intermarries nor interdines together, and, indeed, they belong to two differe civilisations, which are based mainly on conflicting ideas and conceptions. Their aspe on life and of life are different.
>
> (Speeches and writings of Mr. Jinnah, Vol. I, pp. 177-7

In his speech at the Frontier Muslim League Conference on 21-11-1945 he said:

> We have to fight a double-edged battle, one against the Hindu Congress and the other again British Imperialists, both of them being capitalists. The Muslims demand Pakistan where th could rule according to their own code of life and according to their own cultural growt traditions, and Islamic Laws.
>
> (Ibid. Vol. II, p.333

In a message to N.W.F.P Muslim Students Federation, in April 1943, he said:

> You have asked me to give you a message. What message can I give you? We have got the great message in the Quran for our guidance and enlightenment.
>
> (Ibid.Vol. I, p.516

In his Eid message to the nation in 1945, he said:

> Every Musalman knows that the injections of the Quran are not confined to religious and mora duties. From the Atlantic to the Ganges", says Gibbon, "the Quran is acknowledged as th fundamental code, not only of theology but of civil and criminal jurisprudence, and the law

which regulate the actions and the property of mankind are regulated by the immutable sanctions of the Will of Allah". Everyone, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of the Musalmans. A religious, social, civil, commercial, military, judicial, criminal penal code; it regulates everything from the ceremonies of religion to those of daily life; from the salvation of the soul to the health of the body; from morality to crime, from punishment here to that in he life to come and our Prophet (P.B.U.H.) has enjoined on us that every Musalman should possess a copy of the Quran and be his own priest. Therefore, Islam is not confined to the spiritual tenets and doctrines and rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim Society in every department of life, collective and individually.

(Ibid, Vol. II, p.300).

In August 1941, Quaid-e-Azam went to Hyderabad (Deccan) and there gave and interview to the students of the Usmania University. The replies he gave to the questions asked by the students explain in a nutshell the genesis and the ideology of Pakistan in such a comprehensive way that, in my opinion, nothing further would be required to understand these basic foundations. Here are extracts from that interview:

Question:

What are the essential features of religion and a religious State?

Answer:

When I hear the word 'religion', my mind thinks at once, according to the English language and the British usage, of private relation between man and God. By I know fully well that according to Islam, the word is not restricted to the English connotation. I am neither a Maulvi nor a Mulla, nor do I claim knowledge of theology. But I have studied in my own way, the Holy Quran and Islamic tenets. This magnificent Book is full of guidance respecting all human life, whether spiritual or economic, political or social, leaving no aspect untouched.

Question:

What is the distinctive feature of Islamic State?

Answer:

There is a special feature of the Islamic State, which must not be overlooked. There, obedience is.... Due to God and God alone, which takes practical shape in the observance of the Quranic principles and commands. In Islam, obedience is due neither to a king, nor to a parliament, nor to any other organisation. It is the Quranic provisions, which determine the limits of our freedom and restrictions in political and social spheres. In other words, Islamic State is an agency for enforcement of Quranic principles and injunctions.

In a Broadcast talk to the people of the United States of America on Pakistan, recorded in February, 1948, i.e. in his capacity as Governor General of Pakistan, he said:

The Constitution of Pakistan has yet to be framed by the Pakistan Constituent Assembly. I do not know what the ultimate shape of this constitution is going to be, but I am sure that it will be

of a democratic type, embodying the essential principles of Islam. Today, they are as applicab in actual life as they were 1,300 years ago. Islam and its idealism have taught us democracy. has taught equality of man, justice and fairplay to everybody. We are the inheritors of thes glorious traditions and are fully alive to our responsibilities and obligations as framer of futur constitution of Pakistan. In any case, Pakistan is not going to be a theocratic State to be ruled b priests with a divine mission.

(Speeches as governor-general, p-6

I have already explained what "democracy embodying the essential principles o Islam" means in practice: the ways and means for the implementation of the Qurani laws and principles to be framed by the Ummah by mutual consultation, within th immutable boundary lines determined by the Quran. This is what an Islamic State i permitted to do; beyond this it has no authority.

8. I have stated before that the Quran prescribes an socio-economic order, which i unique in its nature. I have so far dealt with its social aspect only. So far as it economic side is concerned, it is a vast subject and requires detailed discussion. It wil not be doing justice to it if it is touched upon enpassant. I have written exhaustively on the subject and my self-contained book-Nizam-e-Rabubiyyat--discusses it in detail. Here, I will confine myself only to its basic principles.

The main object of an Islamic State is to provide the individual with full scope of self-development, which means development of his physical body as well as development of his personality. Its basic principles are that the individual is the focus of value and the society exists to enable the individual to develop and express himself to the full extent of his capacity. It lays primary stress on personal worth. A society based on these principles will be composed of free individuals, each enriching his life by working for the enrichment of all life, and each moving onwards by helping others to do the same. This society should be judged by the solutions it offers for the social and economic problems that confront all human groups.

According to the Quran, it is incumbent upon the Islamic society to provide for the basic necessities of each and all the members comprising it, and make suitable arrangements for the development of their human potentialities. Thereafter, it should extend the same facilities to other human beings and thus make this order universal. A society that fails in this responsibility does not deserve to be called Islamic, for, the society that is established in the name of Allah is bound to proclaim:

We will provide for you and your children (6/152).

It is paramountly clear from this that no society could discharge this responsibility unless, and until it has the various means of production under its control and the necessary resources at its disposal. It may be reiterated, and should in no case be lost sight of, that this society takes under its control means of production with a view to discharge its huge responsibility of providing necessities of life for all the members of the Society. If it fails to do so, it will have be a clear act of usurpation in that case.

So far as the members of this society are concerned, the principle underlying the growth and development of their personality is expressed thus: an individual should work hard, earn and produce as much as possible, keep what is basically and essentially necessary for his own upkeep, and hand over the rest to the Islamic State for meeting out the necessities of others in need, as is ordained in the Quran:

> And they ask as what should they give (for the benefit of others)--Say:
>
> "Whatever is surplus to your own requirements" (2/219)

And in this, their attitude should be such as to declare:

> We desire from you neither reward any thanks. (76/9)

Here arises the question: What is the incentive motivated by which an individual should work, an continue to work, up to his full capacity, retain for himself only to the extent that fulfills his necessities, and hand over the rest to the society, for meeting out the necessities of others in need? Still further.

> They prefer others before themselves although there be indigence among them (59/9).

Prof. Hawtrey has said that:

> **What differentiates economic systems from one another is the character of the motives they invoke to induce people to work.**
> *(Quoted by E.H. Carr, in "The News Society" pp. 41-42)*

The motives provided by the Quran are unique, i.e.

> Human body develops by what the individual concerned takes, while his Personality develops by with he gives.

This constitutes the basic motive for the establishment of the Quranic Economic Order.

There will thus be no capitalism and no landlordism an Islamic State. Quaid-e Azam made this abundantly clears during his struggle for the achievement of Pakistar In his Presidential Address delivered at the Annual Session of the All-India Muslir League, Delhi, on April 24, 1943, he said:

> **Here, I should like to give a warning to the landlords and capitalists who have flourished at ou expense by a system which is so vicious, which is so wicked and which makes them so selfish th it is difficult to reason with them. (Tremendous applause) The exploitation of the masses h gone into their blood. They have forgotten the lessons of Islam. Greed and Selfishness have mad these people subordinate to the interests of others in order to fatten themselves. It is true we ar not in power today. You go anywhere to the countryside. I have visited villages. There ar millions and millions of our people who hardly get one meal a day. Is these civilisations this ai of Pakistan Cries of no, no) Do you visualise that millions have been exploited and cannot get on meal a day. If that is the Idea of Pakistan, I would not have it. (Cheers). If they are wise they wi have to adjust themselves to the new modern conditions of life. If they won't, God helps them: w shall not help them. (Hear, hear renewed cheers and applause.)**
>
> *(Speeches and writings of Jinnah, Vol. I, p-554).*

لائف ممبرشپ برائے مجلہ طلوع اسلام

نہ ہر سال زر شرکت بھجوانے کی زحمت' نہ کھاتہ کھولنے کی ضرورت' ایک دفعہ

اندرون ملک	1500 روپے
ایشیاء' یورپ' افریقہ	8000 روپے
اسٹریلیا' کینڈا امریکہ	10 000 روپے

ادارہ کے اکاؤنٹ نمبر 7-3082 نیشنل بنک۔ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور کے نام ارسال فرما کے لائف ممبرشپ حاصل کر لیجئے۔

سرکولیشن مینجر

***

MUHAMMAD OMAR DRAZ

There is a gaping void in the Lahore Centre of Tolu-e-Islam, or for that matter, in its world-wide Tahreek. Omar Daraz is no more.

It is said that nobody is indispensable. That may be so, but it is also true that each individual is unique. And these uniqueness matters and it will be painfully missed. We will miss his quick and sturdy gait, cheerful demeanour, and a ready smile. He was always there when you wanted him, he always responded with enthusiasm and alacrity. I think I specially noticed these characteristics in him because the general global conditions have made people rather fearful and gloomy. But not him. I remember the last time I met him, barely a week before he said his final goodbye. He was specially invited among others to evaluate the script of a documentary-cum-drama the *Bazm-e-Khwateen* of Lahore was attempting to produce for the Golden Jubilee celebrations. He applauded the script spiritedly in a manner that was his wont, except for the conclusion of the play. It had a slightly pessimistic note. As he spoke, he stood up and ended his comments by declaring that it should end with the following words: "-----and then this planet Earth shall be illuminated with the glory of Allah." These are the last words I heard from him and they shall ever reverberate in my ears.

Omar Daraz was a problem solving person. Lucky are the people who have it or acquire this trait. Many a time if I presented a problem or a hurdle that came my way, in a split second he would offer a solution. It was so simple, what was there to weep and wail about? Right he was, I always thought, what was I cribbing about, why should I be weepy? And I would laugh at myself. He made it all look so easy.

One rare leadership quality he possessed was to encourage initiative and talent. If an individual or a group of individuals put forward a project or a programme, he encouraged them and participated with them. If they succeeded, well and good, if not there was any hard feelings. The experience was well worth it.

In the last years he was attempting to translate Parwez's books. He worked with tremendous zeal and speed and of course, thoroughness, day and night. Sometimes hours passed by, burning the midnight oil, and without his realising it. When he looked up at the clock, a new day had dawned. One day I remarked that he was overtaxing him. At this he referred to what I had once repeated to him. They were Parwez's words spoken on his deathbed, two days before his demise. Parwez had felt deeply that his life's work was in Urdu which had a very limited audience and that too been not very responsive. He would have liked to reach the world audience, which was possible in the English Language. So this was the motivation that made Omar Daraz work like one possessed. I

couldn't help admiring his concern for humanity and his attachment to Parwez. May Allah bless him?

In the last year or so, he was very keen that young people should learn Arabic. The younger lot has to carry on the work of the seniors when they are no more. So this became a passion with him. He once mentioned that he had great hopes in his son Khalid and Atif Tufail, (the general-secretary of the Lahore Bazm). In retrospect I now wonder: was it some kind of a premonition of the coming end? One never knows. Yes, there is so much we do not know about each other, and it is interned with us in the grave.

Shamim Anwar

I was shocked and stunned to learn about the sudden and untimely demise of Brother Muhammad Omar Draz. It would require a lengthy treatise to describe the manner in which he accepted the challenge that befall us all after the demise of Allama Parqwez and carried out the onerous responsibilities that devolved on his shoulders as one of the pioneers of the Tehrik. His multi-dimensional contributions to the Tehrik are gargantuan. He long with other members of the Trust and Idara not only steered the ship of the Tehrik into safe waters when it appeared to be tossing on uncertain waves of a tumultuous ocean of intrigue and conspiracy against the Tehrik but also evolved for it a direction and a progressive pattern. The Trust and the Idara not only preserved the legacy of the Fikr of Allama Parwez but also succeeded in disseminating it to all corners of the world in a highly effective and dignified manner. Omar Draz occupied an eminent position in all these endeavours. The Trust and Idara can take legitimate pride in his immense contributions to the Tehrik. He was dedicated to the Tehrik to the core of his being. He was a true Mard-E-Momin in thoughts, feelings, and deeds. Apart from practical contributions in the propagation of the Fikr-e-Qurani, he had himself developed into a Quranic Scholar of stature. He had a facile pen and expressed his ideas and thoughts coherently in beautiful style. His expositions exhibited great proficiency and command of Urdu, Persian, and Arabic

Iftikhar-Karachi,

RIGHTEOUSNESS DEFINED

Righteousness is not turning your faces towards the east or the west. Righteous are those who believe in Allah, the Last Day, the angels, the scripture, and the prophets; and they give the money cheerfully, to the relatives, the orphans, the needy, the travelling alien, the beggars, and to fee the slaves; and they observe *Salat* and give *Zakat*; and they keep their word whenever they make a promise; and they steadfastly persevere in the face of persecution, hardship and war. These are the truthful; these are the righteous. (Quran 2:177).

EASTERN LINK ON VIP VISIT

[A report from England]

New cultural and education links have been forged in an "East meets East" visit to Pakistan by a group of Newham (England) community leaders. The private ten days trip was led by Mayor Cller Shama Ahmed and came about at the invitation of the country's Local Government Ministry. In a packed itinerary the group, composted of mainly Muslims, visited Pakistan's three major cities of Islamabad, Lahore and Karachi. They toured universities, hospitals and a girl's refuge, and the hospitality shown to them, said the mayor, left them overwhelmed. In a significant gesture Cllr Ahmed, Newham's first female Muslim Mayor, toured the Panja Sahib Grdwara, a Sikh temple, in Hasan Abdal, another highlight of their tour was the group's visit t Idara Tolu-e-Islam on Tuesday, April 22, 1997. The report written by one the participants say. " We were welcome by the organizers of Idara Tolu-e-Islam and Ahbab Cooperative Housing Society which is a voluntary Organization. In which the research workers produce written text on translation and exposition of the holy book Quran. We were impressed to see a large number of cassettes both video and audio that were being produced for use by Pakistanis and Muslim abroad. The society accepts donations that are 'without strings' so that it can continue its programme following its own ideals rather than being straightjacketed by external pressures.

We were then driven, the report says, to Dawn Model School, which is situated in a very deprived area of Metropolitan City of Lahore. The children schooling here are those who are in great need of education. The majority of the children are from homes were the adults are involved in criminal cases or are deprived of health and wealth. Both Muslim and Christian children are taught in the school in basic literacy and numeracy. The children in the school are 5 to 11 years of age and in most cases the parents/guardians would not continue their education but would use them for child labour. Very young teachers teach the children in classes of about 15 to 20.students. Four teachers are paid while headmistress of the school does the work voluntarily. The children's excitement, wen we arrived, was overwhelming. They smiled, they laughed and fidgeted. They sat up alert as they saw people watching them. We went around talking to the children and were touched by how proud they were of their work. The classrooms were quite bare except for a few pieces of artwork. The children had books and a table. We remembered being at school as a five years old student, sitting on the floor and writing on a slate. We could identify with these children. Education was their lifeline to

improve their future. Their desire to learn was evident but the resources they had for learning were meager. The teachers were very young girls of about 18-20 years of age. They were however proud of what they were achieving. Nasir, one of our companions, moved by the poverty of the children donated a sum of 2000 Pounds to the school for building another classroom, which, he considered, was much, needed. Mr. Farhat promised another 1000 to the school and handed over to the management the books that had been brought from England. The visit stirred our conscience a great deal and we were pleased that we had an opportunity of being able to help these children though to a small extent.

As we left the school the staff and children were seen smiling and waving. We wish these children broke out of the cycle of deprivation that they were in. The idea of establishing an institution for student who cannot otherwise afford education is marvelous.

Leader of the delegation Mrs. Shama Ahmed was kind enough to address the gathering. Her address shall be published in the next issue of this magazine. Photographs of the visit can be seen on back inner page of the title cover.

CRUCIAL ADVICE

You shall not accept any information, unless you verify it for yourself. I have given you the hearing, the eyesight, and the brain, and you are responsible for using them.(Quran 14 :36)

You shall not walk proudly on earth – you cannot bore through the earth, nor can you be as tall as the mountains. (Quran 17:37)

All bad behaviour is condemned by your Allah (Quran 17:38).